www.urducouncil.nic.in

فروری 2025 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
بہادر فوجی اور ہمارے بچے	خواجہ عبدالمنتقم	07
بھارت رتن ڈاکٹر ذاکر حسین	سید واجد علی شاہ جیلانی	10
بچوں کے ڈاک ٹکٹ کی کہانی	سلطان احمد ساحل	12
	سائنس	
مجھ کو سائنس داں تو بنا دے	محمد وکیل	14
بیا چڑیا کا گھونسلہ	اکبر خان اشک جالوری	15
روشنی	سید شمیم احمد مدنی	17
کیلشیم اور میگنیشیم	سید شہاب الدین دسنوی	20
ایس این بوس	دلیپ ایم سالوی/اقبال مہدی زیدی وغلام حیدر	23
	نظمیں	
یاد ہے	وکیل نجیب	26
مور	فراق جلال پوری	27
موبائل	ضیاء الرحمٰن جعفری	28
اقبال کا جگنو	فوزیہ اختر	29
مونیٹر	حبیب سیفی	30
منے راجہ	انعم جویریہ	30
موسم	اقبال دانش	31
سردی آئی	صدف جمال	31
	کہانیاں	
ٹفن باکس	کے شیوالنگپا ہانڈیہل/ظہیر رانی بنوری	32
محبت کی دولت	سلیم خان	34
گلہائے رنگا رنگ	محمد الیاس	38
دریا دلی	شجاع الدین شاہد	41
معصوم ہاتھ	مقصود خاں علیگ	43
حقیقی خوشی	ریاض اختر شفیق	45
تحفہ	ثمینہ بانو	48
	قسط وار ناول	
جنگل کی کہانی ررمیش نارائن تیواری	مترجمہ : زینت شہریار	50
	صحت	
موسمی پھل	امتیاز احمد انصاری	56
	واقفیت عامہ	
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	59
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		60

بچوں کی دنیا

جلد: 13 شمارہ: 02 فروری 2025

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /15 روپے، سالانہ /145 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

پیارے بچو! یہ اکیسویں صدی ہے اور اسے ٹیکنالوجی کا دور بھی کہا جاتا ہے، اس صدی میں روز بہ روز نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں، سائنسی ایجادات نے ہماری زندگی میں بہت آسانیاں پیدا کردی ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارا معیار زندگی بھی بلند ہوا ہے، سائنس کی ترقی ہی آج معاشرے اور ملک کی ترقی سمجھی جاتی ہے، اس کی اہمیت وافادیت سے موجودہ وقت میں کوئی انکار نہیں کرسکتا، آج ہم صبح بیدار ہونے سے لے کر سونے تک سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں، ہمیں اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی دریافت اور کھوج کے لیے سائنسدانوں نے کتنی محنت اور تحقیق کی ہے، سائنسداں ہماری زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے دن رات کوششیں کرتے ہیں۔

بچو! مشہور سائنسداں میری کیوری کو تو آپ ضرور جانتے ہوں گے، انھوں نے اپنی لگن اور تلاش وجستجو سے بہت سی پریشانیوں کے باوجود Radium دریافت کیا اور اس سے نکلنے والی دھات کا پتہ لگایا جس کی وجہ سے کینسر جیسے مہلک مرض کا علاج ممکن ہوسکا، ریڈیم ایک خطرناک دھات ہے جو ہاتھوں اور جسم کی کھال کو جلا دیتی ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی تحقیق کو جاری رکھا اور دنیا کو دکھا دیا کہ اگر ہمت اور حوصلے سے کام کیا جائے تو یقیناً اس میں کامیابی ملتی ہے، اس اہم تحقیق کے لیے انھیں نوبل انعام سے نوازا گیا اور وہ نوبل انعام حاصل کرنے والی پہلی خاتون بنیں۔

بچو! کائنات کی ہر شے کی نوعیت اور خصوصیت وغیرہ کو ایک اصول اور ضابطے کے تحت جاننے کو سائنس کہتے ہیں، سائنس کے کچھ بنیادی شعبے ہیں جیسے علم طبیعیات (Physics)، علم کیمیا (Chemistry)، علم الحیات (Biology) اور علم فلکیات (Astronomy) وغیرہ کے نام سے جانا جاتا ہے تاکہ بآسانی اسے سمجھا جاسکے اور اس کے متعلق علم حاصل کیا جاسکے، آج اسکولوں اور کالجوں میں اس کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی ہے تاکہ یہی بچے آگے چل کر سائنسداں بنیں اور ملک وقوم کا نام روشن کریں، اس لیے آپ بھی دل لگا کر پڑھیں، دوسرے موضوعات کے ساتھ سائنس کی کتابوں پر بھی توجہ دیں، اسکول میں بہت سے سائنسی پروگرام ہوتے ہیں اس میں بھی اپنی موجودگی درج کرائیں، سائنسداں خاص طور پر نیوٹن، آئنسٹائن، گیلیلیو، اسٹیفن ہاکنگ، سی وی رمن، وکرم سارا بھائی، ایچ جے بھابھا، آریہ بھٹ، اے پی جے عبدالکلام وغیرہ کی حیات اور ان کی خدمات کو پڑھیں، اس سے آپ کے علم میں اضافہ ہوگا اور ساتھ ہی نئی نئی چیزوں کی تلاش وجستجو کا شوق بھی پیدا ہوگا۔

پیارے بچو! ہندوستان میں بھی کئی سائنسی ادارے ہیں جن کی خدمات اور دریافت بے مثال ہیں، ڈیفنس ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن (ڈی آر ڈی او) اور انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (اسرو) وغیرہ نے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں بے مثال ترقی کی ہے اور ہندوستان کو ترقی یافتہ بنانے میں ان اداروں کا اہم کردار رہا ہے۔ فروری کے مہینے میں یوم سائنس کی مناسبت سے اس شمارے میں سائنس سے متعلق پانچ تحریریں شامل ہیں، ان کے مطالعے سے آپ کی معلومات میں ضرور اضافہ ہوگا اور سائنس سے دلچسپی بھی پیدا ہوگی۔

آپ کا

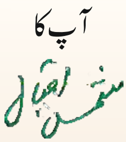

ڈاک خانہ

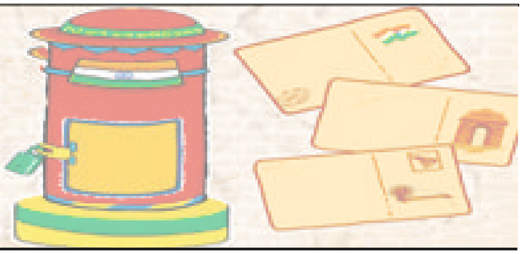

جنوری 2025 ’بچوں کی دنیا‘ کا شمارہ موصول ہوا۔ اس شمارے کا سرورق دیدہ زیب ہے۔ سرورق کا رنگ 26 جنوری کی مناسبت سے عمدہ ہے۔ پریڈ کی تصویر دیکھ کر یاد آتا ہے کہ ہم 26 جنوری کے ساتھ ساتھ ایک نئے سال کا بھی استقبال کر رہے ہیں۔ اس شمارے کے اداریے میں بھی نئے سال کے ساتھ یوم جمہوریہ کا ذکر آیا ہے۔ اس شمارے میں اداریے کے بعد پے در پے خوبصورت مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کو دیکھ کر اور انھیں پڑھ کر مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاک خانہ کے عنوان سے جو خطوط شماروں میں شامل کیے جاتے ہیں انھیں پڑھ کر بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کے ذریعہ لوگوں کی مختلف آرا معلوم ہوتی ہے۔ پہلا مضمون ’رتن ٹاٹا‘ کے اوپر لکھا گیا ہے۔ بلاشبہ رتن ٹاٹا بھارت کے ایک نایاب گوہر تھے۔ ان کی موجودگی کا احساس ہمارے لیے قابل فخر تھا۔ دنیا میں بہت کم ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس شمارے میں بچوں کی تخلیقی صلاحیت بڑھانے والے تعلیمی کھیل پر مضمون بہت عمدہ ہے۔ اس سے بچوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ نیا سال نئی امنگیں کے عنوان سے مناظر حسن شاہین نے بہت خوبصورت نظم لکھی ہے۔ میں انھیں ذاتی طور پر مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ نیا سال آیا بھی عمدہ نظم ہے۔ اس نظم میں اخلاقی پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جنوری کے شمارے میں جو کہانیاں شامل ہیں وہ بھی بہت اچھی اور سبق آموز ہیں۔ انھیں پڑھ بچوں کا ذہن کھلے گا اور زندگی جینے کے ڈھب تبدیل ہوں گے۔ اس شمارے میں کہانیوں کے بعد بھی بہت خوبصورت نظمیں موجود ہیں۔ اسی کے ساتھ امیدوں کا تاجر کے عنوان سے جو ڈراما ہے وہ بھی بہت اچھا ہے۔ نعیمہ جعفری پاشا صاحبہ پرانی لکھنے والی ہیں اور ایک زمانے سے اپنی تخلیقی سرگرمیوں کے ذریعہ نسلوں کے علمی و تخلیقی مذاق کی تربیت کر رہی ہیں۔ ان کے اس ڈرامے کو پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ میں انھیں اس ڈرامے کے لیے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات کے ذیل میں بہت اچھے سوالات قائم کیے گئے ہیں۔ ان سوالات سے بچوں کا ذہن بھی کشادہ ہوگا اور ان کے علم میں اضافہ ہوگا۔ ان میں بعض ایسے سوالات بھی موجود ہیں جن نے میرے علم میں بھی اضافہ کیا ہے۔

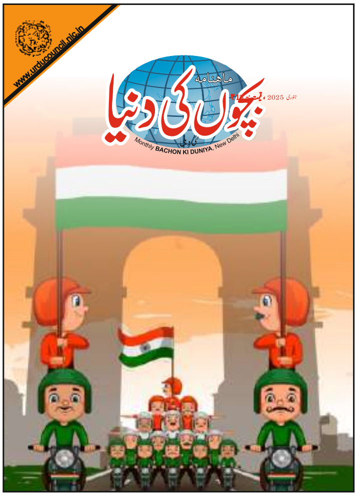

تندرستی کا راز کے عنوان سے صحت پر قابل قدر مضمون پیش کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر مکمل شمارہ بہت اچھا اور قابل قدر ہے۔

جاوید رئیس، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

دسمبر 2024 کا شمارہ وقت پر موصول ہوا، آج کے زمانے میں بذریعہ ڈاک وقت پر رسائل کا موصول ہو جانا کسی نعمت سے کم نہیں ہے، 'بچوں کی دنیا' کا ہر ماہ بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ اس رسالے میں شائع ہونے والے مضامین، کہانیاں، نظمیں، چمن چمن کے پھول، واقفیت عامہ وغیرہ بچوں کی نفسیات اور ان کی سمجھ کو سامنے رکھ کر منتخب کیے جاتے ہیں۔ اداریے میں لائبریری کی ضرورت اور اس کی اہمیت و افادیت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ بچوں کو کیسے کتابوں اور لائبریری سے قریب کیا جائے اس پر بھی بات کی گئی ہے۔ بہت سی لائبریریوں میں بچوں کے پڑھنے اور ان کی دلچسپی کے لیے خاص انتظام ہوتا ہے، بچوں کو لائبریری ضرور جانا چاہیے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نصابی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں سے رغبت بھی ان میں پیدا ہوگی۔

برطانیہ عظمیٰ کے نام سے انصاری حفیظ الرحمٰن کی بہت ہی معلوماتی تحریر ہے۔ اس میں مضمون نگار نے برطانیہ اور وہاں کی تاریخ و ثقافت پر بھی گفتگو کی ہے۔ سید حیات شاہ کا مضمون ہر بچے کو ضرور پڑھنا چاہیے تاکہ وہ اپنے حقوق کو اچھی طرح سمجھ سکیں، نظموں کے تحت سات نظمیں ہیں اور ہر نظم اچھی ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، خاص طور پر بادل نظم مجھے بے حد پسند آئی۔ کہانیوں میں 'ننھے عاصم بڑے ہوگئے' بڑی دلچسپ کہانی ہے اور اس کے ذریعے بہت ہی اچھا میسیج دیا گیا ہے، اس کے علاوہ دیگر کہانیاں بھی اچھی ہیں۔

عریشہ ناز، بیتا، دربھنگہ، بہار

ماہ اکتوبر 2024 کا شمارہ ملا۔ شمارے کے تمام مشمولات متنوع اور معلومات سے بھرپور ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے اس دور میں بھی رسالہ 'بچوں کی دنیا' بچوں کی ذہنی آبیاری کے لیے مسلسل کوشاں ہے۔ یہ رسالہ بچوں کی ذہنی، جذباتی اور جمالیاتی حس کی ترقی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ شمارے کی قیمت میں کیا گیا اضافہ گرانی محسوس ہو رہا ہے۔ اس شمارے کے مشمولات اداریہ، ڈاک خانہ، نئی تعلیم اور باپو نے کہا معلومات سے بھرپور ہیں۔ نظموں میں پنکھا، ترانہ سائنس اور ہم بچے، بھی دلچسپ ہیں۔ کہانیوں میں تدبیر، میلہ اور ہماری زمین بھی بہت خوب ہیں۔ جناب مشتاق کریمی صاحب کی کہانی 'تدبیر' آج ہر گھر کی کہانی بن چکی ہے۔ لوگ باگ بچوں کی اس عادت سے بہت پریشان ہیں۔ ہر کوئی اپنے بچے کی اس عادت کو چھڑانا چاہتا ہے۔ موصوف نے اس کہانی میں موبائل کا جو متبادل تعلیمی تاش، مٹی کام، جانور پالنا اور اخبار و رسائل کا مطالعہ کرنا جس بہترین انداز میں پیش کیا ہے لائقِ تحسین ہے۔ اس کہانی کو بہت اہتمام سے شائع کرنے کے لیے شعبہ ادارت کو بہت بہت مبارکباد۔ اللہ کرے بچوں کی دنیا خوب سے خوب تر ہو۔

اسمٰعیل سلیمان، کرہاڈ خورد تحصیل پاچورہ ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

خواجہ عبدالمنتقم

بہادر فوجی اور ہمارے بچے

بچے کسی بھی ملک کا مستقبل اور موجودہ نسل کے جانشین ہوتے ہیں۔ یہ بچے ہی ہیں جو بڑے ہوکر کسی نہ کسی میدان میں اپنا اور ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔ ہم سب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہمارے فوجی کڑی گرمی، شدید سردی، تپتی دھوپ، بارش، خشکی، آندھی طوفان یعنی ہر موسم میں ہماری سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب بچے انھیں یونیفارم میں دیکھتے ہیں تو ان میں بھی ایک طرح کی حرارت اور جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ کبھی کبھی اپنے والدین سے یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بڑے ہوکر فوج میں جانا چاہتے ہیں۔

ہمارے ملک کی افواج کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں صرف اہلیت کی بنیاد پر ہی سب لوگوں کو، چاہے ان کا کوئی بھی مذہب ہو، وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں، ملک کے کسی بھی حصے میں رہتے ہوں، ان کا کوئی بھی کھان پان ہو، افواج کا حصہ بننے کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ البتہ قد وقامت اور صحت، عمر وغیرہ کے جو معیار مقرر ہوتے ہیں ان پر امیدواروں کا کھرا اترنا ضروری ہوتا ہے۔

ہم سب کا خاص کر والدین اور اساتذہ کا یہ فرض ہے کہ وہ بچپن سے ہی بچوں میں وطن کی محبت کا جذبہ پیدا کریں اور انھیں اپنے ملک کے بہادر فوجیوں کے کارناموں اوران کی بہادری کے قصے سنائیں۔ یہ قصے سن کر ان میں بھی ایک بہادر فوجی کے طور پر ملک کی خدمت کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ وہ انھیں خاص کر درج ذیل فوجیوں کے عظیم کارناموں کے بارے میں بتائیں۔

ذیل میں ہم چند بہادر فوجیوں پر گفتگو کرتے ہیں:

بریگیڈیئر محمد عثمان

شہید بریگیڈیئر محمد عثمان 48-1947 کی ہندو پاک جنگ کے دوران 50 (آزاد) پیراشوٹ بریگیڈ کے جموں وکشمیر فرنٹ پر بحیثیت بریگیڈ کمانڈر تعینات تھے۔ سرحد پار سے تقریباً 10 ہزار افراد پر مشتمل حملہ آور سرحد کی اس جانب داخل ہوئے اور نوشیرہ پر حملہ کیا۔ بریگیڈیئر محمد عثمان نے بڑی بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جس میں دشمن کا بھاری جانی نقصان ہوا اور وہ پیچھے ہٹنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ آج بھی سب لوگ بریگیڈیئر محمد عثمان کو اس قربانی کے حوالے سے بار بار یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اور زندہ رہتے یعنی 3 جولائی 1948 کے بعد تو اور بھی زیادہ علاقے پر قبضہ ہو سکتا تھا۔

میجر جنرل ایان کارڈوزو

1971 کی ہند-پاک جنگ کے دوران ان کے قدم ایک بارودی سرنگ پر پڑ گئے جس کے باعث ان کی ٹانگ اس حد تک زخمی ہو گئی کہ اسے کاٹنے تک کی نوبت آ گئی۔ جب ڈاکٹر بھی ان کی ٹانگ نہ کاٹ سکے تو انھوں نے کھکری سے اپنی ٹانگ خود کاٹ لی۔ ایک ٹانگ ہونے کے باوجود بھی انھوں نے دو ٹانگ والے افسروں کی طرح اپنی بہادری اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو ٹانگ والے دشمنوں کو بھی اپنی بہادری کا لوہا منوانے پر مجبور کر دیا۔

میجر سوم ناتھ شرما

1947 کی بات ہے کہ میجر سوم ناتھ شرما کی ٹکڑی کو کشمیر وادی کے بڈگام مورچے پر جانے کا حکم دیا گیا۔ ان کی اس ٹکڑی کو دشمن کی جانب سے آنے والے 700 قبائلی حملہ آوروں کی ایک ٹولی نے تین طرف سے گھیر کر ان پر حملہ کیا اور بھاری گولہ باری کی جس میں ان کے کئی سپاہی شہید ہو گئے۔ میجر سوم ناتھ شرما نے ایک بہترین حکمت عملی اختیار کر کے اور اپنی بہادری کا مکمل طور پر مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی مدد سے دشمن پر گولے برسائے اور اسے آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یہ لوگ سری نگر ہوائی اڈے تک پہنچ کر اس کو تباہ کر سکتے تھے۔ وہ شدید زخمی ہونے کے باوجود بھی دشمن کا ایسی حالت میں مقابلہ کرتے رہے جب ان کے ہاتھ پر پلاسٹر بندھا ہوا تھا۔ اسی دوران ایک مورٹار کا نشانہ ٹھیک وہیں پر لگا اور میجر سوم ناتھ شرما شہید ہو گئے۔

میجر راماسوامی پرمیشورن

میجر راماسوامی پرمیشورن سری لنکا میں تمل ایلم کی درخواست پر بھارت سے بھیجے گئے فوجیوں میں شامل تھے۔ انھوں نے آپریشن پون میں بھر پور حصہ لیا، لیکن اس آپریشن کے دوران 25 نومبر، 1987 کو 41 سال کی عمر میں میجر راماسوامی ناریل کے جھرمٹوں کے بیچ دشمن کی گولہ باری کا سامنا کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

میجر ہربھجن سنگھ اور کیپٹن پرتھوی سنگھ ڈاگر

میجر ہربھجن سنگھ کو 1967 کی سکم جنگ کے حوالے سے ناتھولا کا ہیرو کہا جاتا ہے۔ چین نے ناتھولا حملے میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے چولا حملہ کیا تھا مگر یہاں پر بھی اسے مار کھانی پڑی۔ اس تصادم میں چین کے 140 اعلیٰ درجے کے کمانڈو مارے گئے مگر اس میں ہمارے دو بہادر افسر بھی شہید ہو گئے جن کا نام تھا میجر ہربھجن سنگھ اور کیپٹن ڈاگر۔

کیپٹن وکرم بترا

شہید کیپٹن وکرم بترا نے ایک انتہائی مشکل جنگی کارروائی میں اپنی بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے 17 ہزار فٹ اونچائی پر واقع چوٹی 5140 کو دوبارہ واپس لینے میں کامیابی حاصل کی تھی اور وہاں پر بھارتیہ ترنگا لہرایا تھا۔

کیپٹن منوج کمار پانڈے

شہید کیپٹن منوج کمار پانڈے نے کارگل جنگ کے دوران دشمن کی جانب سے شدید گولہ باری ہونے کے باوجود Juber چوٹی پر قبضہ کرکے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

سیکنڈ لیفٹیننٹ ارون چھیتر پال

شہید سیکنڈ لیفٹیننٹ ارون چھیتر پال نے 1971 کی ہند-پاک جنگ کے دوران شکرگڑھ سیکٹر میں پاکستان کی بھاری اور کثیر تعداد والی ٹکڑی کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک جوابی حملے میں دشمن کے دانت کھٹے کردیے تھے۔

صوبیدار یوگیندر سنگھ یادو

صوبیدار یوگیندر سنگھ نے ٹائیگر ہل میں دشمن نے جو تین بڑے مضبوط بنکر بنائے تھے ان پر حملہ کرنے اور ان کو اپنے قبضے میں لینے کے لیے خود کو پیش کیا۔ برف سے ڈھکی یہ پہاڑی 16 ہزار 500 فٹ اونچائی پر واقع تھی اور ایسی حالت میں دشمن سے لوہا لینا آسان کام نہیں تھا، مگر وہ وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

صوبیدار وکرم سنگھ

اکتوبر 1948 میں جب پاکستان نے کشمیر میں Richhmar گلی پر ایک بھاری بریگیڈ سے حملہ کیا تو بھارتی پلاٹون کے سارے بنکر تباہ ہوگئے اور کسی بھی طرح کا رابطہ باقی نہیں رہا مگر صوبیدار وکرم سنگھ دشمن کا بہادری سے مقابلہ کرتے رہے اور دشمن کی فوج کو واپس جانے پر مجبور کردیا۔

حولدار عبدالحمید

حولدار عبدالحمید کو 1965 میں ہند-پاک جنگ کے دوران کھیم کرن سیکٹر میں دشمن کو آگے نہ بڑھنے سے روکنے کی ذمے داری سونپی گئی، جس کو انھوں نے دشمن کے کئی ٹینک تباہ کرکے اس بہادری کے ساتھ نبھایا کہ دشمن لوٹ جانے کے لیے مجبور ہوگیا، لیکن حولدار عبدالحمید تین دن کی اس شدید لڑائی کے بعد وہ دن دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہے جب اس فتح کی خوشیاں منائی جارہی تھیں۔

ان بہادر فوجیوں کی بہادری کے قصے سنانے کے علاوہ اساتذہ اور والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی فلمیں اور پروگرام دکھائیں جن میں فوجیوں کی بہادری کے مناظر دکھائے گئے ہوں۔ اس کے علاوہ وہ انھیں ریٹائرڈ افسروں سے ملائیں تاکہ وہ ان کے تجربات سنیں۔ فوجی میوزیم دکھائیں اور ساتھ ہی بچوں کو اس بات کا احساس دلائیں کہ دیکھو ہمارے فوجیوں نے اپنے ملک کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔

■

Khwaja Abdul Muntaqim
H-3, Dharma Apartment, 2-I P Extn.
Delhi - 110092
Mob.: 9818369624
amkhwaja2007@yahoo.co.in

سید واجد علی شاہ جیلانی

بھارت رتن ڈاکٹر ذاکر حسین

ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ ہی علم و ادب کا گہوارہ رہی ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں اِس دھرتی پر جن نامور سپوتوں نے جنم لیا ہے ان میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی پیدائش 8 فروری 1897 کو ہوئی۔ آبائی وطن فرخ آباد تھا۔ ان کے والد کا نام فدا حسین اور اہلیہ کا نام شاہ جہاں بیگم تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کرنے کے بعد 1907 میں اٹاوہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ ایام طالب علمی ہی میں انھوں نے پیر حسین شاہ سے بیعت کی۔ برطانوی ہند میں 'زراعت' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ 1926 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ 22 سال تک وہ جامعہ سے وابستہ رہے۔ جامعہ سے ان کو انتہائی محبت تھی۔ زندگی کے کسی موڑ پر ذاکر صاحب نے جامعہ اور اہل جامعہ کو فراموش نہیں کیا۔ 1948 میں جواہر لعل نہرو اور مولانا آزاد کے کہنے پر انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چانسلر کا عہدہ قبول کیا اور اپنے 8 سالہ دور میں انھوں نے یونیورسٹی کو جو نئی شکل دی وہ ناقابل فراموش ہے۔ وائس چانسلر ہونے کے علاوہ وہ انجمن ترقی اردو ہند اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر بھی رہے۔

1952 میں ذاکر صاحب راجیہ سبھا کے رکن نامزد کیے گئے اور 13 مئی 1962 کو نائب صدر منتخب ہوئے۔ راجیہ سبھا کے چیئرمین کی حیثیت سے ان کی دوراندیشی، معاملہ فہمی اور قطعاً بے لوث ہونے کا اعتراف اپنے اور پرائے سبھی نے کیا۔ ذاکر صاحب بے حد پرخلوص اور غریب پرور انسان تھے۔ انھیں دکھاوے سے سخت نفرت تھی۔ ان کی تحریر و تقریر دونوں میں ایک خاص وصف تھا۔ وہ ان قومی رہنماؤں میں سے ہیں جنھوں نے بھید بھاؤ اور علاحدگی پسند رجحانات کی ہمیشہ مذمت کی اور اتحاد و یکجہتی کے حامی رہے۔

1962 میں ان کو ملک کے سب سے اعلیٰ ترین اعزاز بھارت رتن سے نوازا گیا۔ 5 سال نائب صدر جمہوریہ ہند کے عہدے پر فائز رہنے کے بعد 1967 میں ہندوستان کے تیسرے صدر جمہوریہ کے انتخاب میں حکمراں جماعت نے ان کو اپنا امیدوار بنایا اور 9 مئی 1967 کو وہ ہندوستان کے صدر منتخب ہوئے۔ رسم حلف برداری کی تقریب میں انھوں نے کہا تھا ”سارا بھارت میرا گھر ہے اور اس میں آباد تمام لوگ میرے خاندانی فرد ہیں۔ میں پوری لگن اور ایمانداری سے اس گھر کو بارونق اور مستحکم بنانے کی پوری کوشش کروں گا۔“

ذاکر صاحب کی باوقار شخصیت نے صدر جمہوریہ ہند کے منصب کو ایک نئی شان عطا کی۔ وہ ایک باعلم اور اصول پسند شخص تھے اور ہر کام کو علم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ذاکر صاحب نے عرصۂ دراز تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا اور اپنے اعلیٰ افکار عالیہ کے ذریعے نہ جانے کتنے دلوں کو مسحور کیا۔ ان کا نظریہ تھا تعلیم اور سماجی زندگی کا آپس میں رشتہ بے حد گہرا ہے اور تعلیم ہی کے ذریعے انسانیت کا مقدر سنور سکتا ہے۔“ انھوں نے کہا تھا ”تعلیم صرف ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے نہ دی جائے بلکہ بنیادی تعلیم کا مقصد بچے کو وسیع النظر اور اعلیٰ انسان ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی پوری زندگی تجربات سے پر تھی۔ وہ تعلیم، صالح رہنما اور وطن پرست ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دیندار مسلمان بھی تھے۔ اردو زبان و ادب سے ان کو گہرا لگاؤ تھا۔ انھوں نے اردو اور انگریزی زبانوں میں کئی کتابیں لکھیں۔ ذاکر حسین ہندوستانی ثقافت کا مجسمہ اور قومی اتحاد کی علامت تھے۔ جنگ آزادی کے اس مجاہد اور صداقت کے پیکر نے 2 مئی 1969 کو راشٹرپتی بھون میں آخری سانس لی۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں مدفون ہیں۔

■

Syed Wajid Ali Shah Jeelani
35, Seva Sadan Block
Complex 12, 1st Floor
Gali No: 1, Mandawali, Fazalpur
Delhi - 110092
Mob.: 8800972366

بچوں کے ڈاک ٹکٹ کی کہانی

سلطان احمد ساحل

بچوں کے ڈاک وتار کے محکمے نے بھارت میں 'بال دِوس (Children's Day) کے موقعے پر 19 نومبر 1976 کوایک خاص ڈاک ٹکٹ جاری کیا تھا۔ 25 پیسے کا یہ ڈاک ٹکٹ بہت خوشنما اور رنگین ہے۔ اس ڈاک ٹکٹ پر چھپی ہوئی تصویر میں ایک پالنا ہے جس پر ایک ننھا بچہ لیٹا ہے۔ ایک عورت اپنے ہاتھ میں پانی کا ایک برتن لے کر کھڑی ہے۔ قریب ہی ایک نیولا اپنا سر اٹھائے۔ اس عورت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ڈاک ٹکٹ پر چھپی اس تصویر کے پیچھے ایک بہت دلچسپ کہانی ہے!

بہت دن پہلے کی بات ہے، کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کے خاندان میں کسان کی بیوی، ایک ننھا بچہ اور ایک پالتو نیولا تھا۔ ایک دن کسان کسی ضروری کام سے باہر گیا تھا، اس کی بیوی بھی گاؤں کے قریبی کنواں سے پانی لانے گئی تھی۔ گھر میں پالتو نیولے اور پالنے میں لیٹے ہوئے ننھے بچے کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اسی درمیان کہیں سے بھٹکتا ہوا ایک سانپ گھر میں آ گیا اور آہستہ آہستہ پالنے کی طرف بڑھنے لگا، یک بیک نیولے کی نظر سانپ پر پڑی اور وہ اس پر فوری کارروائی کرتے ہوئے جھپٹ پڑا۔ دونوں میں خوب جم کرلڑائی چھڑگئی۔ آخرکار نیولا کی فتح ہوئی، اس نے سانپ کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔

کچھ ہی دیر بعد کسان کی بیوی گھڑے میں پانی لے کر واپس آئی، اس کے آنے کی آہٹ سن کر نیولا دوڑ کر دروازے پر آیا اور اپنی مالکن کے پیروں پر لوٹ پوٹ کرنے لگا۔ ساتھ ہی نیولے نے سر اٹھا کر مالکن کی طرف دیکھا جیسے اسے بتانا چاہتا ہو کہ آج اس نے مالکن کے بچے کی جان بچا کر ایک بہت بڑے خطرے کو ٹال دیا ہے۔ نیولے کی اس حرکت پر کسان کی بیوی اسے دیکھنے

لگی، نیولے کے منہ پر خون لگا تھا۔ کسان کی بیوی یہ دیکھتے ہی یک بیک گھبرا گئی، وہ سمجھی کہ نیولے نے اس کے بچے کو مار ڈالا ہے، ذہن میں یہ خیال آتے ہی اسے زور کا غصہ آ گیا اور بغیر کچھ سوچے سمجھے پانی سے بھرا گھڑا نیولے کے سر پر پٹک دیا اور نیولا اسی وقت مر گیا۔ پھر کسان کی بیوی گھر کے اندر گئی۔ گھر کے اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیرت میں پڑ گئی۔ اس کا ننھا بچہ پالنے میں کلکاریاں مار کر اطمینان کے ساتھ کھیل رہا تھا اور نیچے فرش پر سانپ کے کٹے پھٹے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے، اب ساری بات کسان کی بیوی کو سمجھ میں آ گئی، اپنی اس ناسمجھی اور جلد بازی کی حرکت پر انتہائی افسوس اور صدمہ بھی ہوا۔

'پنچ تنتر' کی یہ کہانی ایک ننھی بچی کو خوب پسند آئی، اس بچی کا نام ننھا ڈی بھاٹیہ ہے۔ اس نے اس کہانی کی بنیاد پر ایک تصویر بنائی، ڈاک وتار کے محکمے کے کارکنوں کو اس کی یہ تصویر کافی پسند آئی اور انھوں نے اسے ڈاک ٹکٹ کی شکل میں شائع کر دیا۔ ننھا ڈی کی عمر اس وقت صرف دس برس کی تھی۔

یوں تو بھارت میں ڈاک ٹکٹ تو بہت سارے نکلتے ہی رہتے ہیں لیکن کسی واقعے یا کہانی سے کم تعلق رکھتے ہیں۔ بھارت ڈاک وتار محکمے کے لوگ گر چاہیں تو ایسے اور بھی ڈاک ٹکٹ نکال سکتے ہیں، اس طرح بچوں کو نئے نئے انداز سے تصویریں بنانے کا موقع ملتا رہے گا اور اچھی اچھی کہانیاں بھی ڈاک ٹکٹ کی شکل میں شائع ہوتی رہیں گی، یہ سلسلہ بھارت میں نیا نہیں، کئی دوسرے ممالک بھی اپنی اچھی اچھی اور مشہور کہانیوں کو ڈاک ٹکٹ کی شکل میں پیش کر چکے ہیں۔ اس طرح کے رنگین اور جاذب نظر ڈاک ٹکٹ بچوں کو بہت اچھے، پسندیدہ اور پیارے لگتے ہیں۔

■

Sultan Ahmad Sahil
Flat No: D-2, Nohsa Main road
Jawahar Complex, Near Zamzam Store
Phulwari Sharif
Patna - 801505 (Bihar)
Mob.: 9135707097

محمد وکیل

مجھ کو سائنس داں تو بنا دے

مجھ کو سائنس داں تو بنا دے
خواب میرا تو پورا کرادے
ماہرین ریاضی تو کردے
شوق سائنس کا دل میں بھردے
ہوں فزکس اور کیمسٹری میں ماہر
یوں کہ سائنس کا ہو جاؤں ساحر
کچھ نہیں تو معالج بنا دے
خوب محنت کا جذبہ جگا دے
میں کلام اور نیوٹن بنوں گا
کچھ کسی کی نہ اب میں سنوں گا
وہ دماغ اور وسیلہ بھی دے دے
میرے سارے مسائل تو لے لے
مقصدِ علم کر دے تو پورا
مرا خواب رہ جائے نا یہ ادھورا

دادا، دادی نے مجھ سے کہا تھا
وقتِ رخصت یہ وعدہ لیا تھا
آدمی بننا ہے مجھ کو پہلے
پھر تو سائنس داں بن کے رہ لے
خدمتِ خلق بھی لازمی ہے
تب کہیں جا کے تو آدمی ہے
میرے خوابوں کی تکمیل کردے
مجھ کو بس ایک تمثیل کردے

■

Md. Wakeel
C/O, Ahmed Wakeel Aleemi
B.L. No: 4, Holding No 5
Kankinara
North 24 - Parganas - 743126 (West Bengal)
wakeelaleemi@gmail.com

اکبر خان اشک جالوری

بیا چڑیا کا گھونسلہ

Weaver-Finches ہلکے پیلے رنگ کا بنکر قسم کا ننھا سا پرندہ بیا گھاس کے چھوٹے چھوٹے تنکوں اور پتیوں کو بن کر لالٹین کی طرح لٹکتے بے حد خوبصورت گھونسلے کو تعمیر کرتا ہے۔ اسے بنکر چڑیا اور ٹیلر برڈ بھی کہا جاتا ہے۔ اپنی ہنر مندی کی وجہ سے اسے انجینئر کہا جاتا ہے۔ بیا قسم کے پرندے پورے برصغیر ہند اور دکنی مشرقی ایشیا میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ اکثر اپنا گھونسلہ نہر، ندی اور نالوں کے کناروں کے آس پاس پائی جانے والی کانٹے دار جھاڑیوں اور درختوں میں تیار کرتے ہیں۔ ان جھاڑیوں میں ایک ساتھ کئی الٹے لٹکتے خوبصورت گھونسلے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے دروازے نیچے کی طرف ہوتے ہیں۔ کئی گھونسلوں میں دو کمرے بھی ہوتے ہیں۔ بیا اپنا گھونسلہ اس طرح سے تیار کرتی ہے، جس سے کہ وہ اپنے انڈوں اور بچوں کو دشمنوں اور شکاریوں اور موسمی اثرات سے محفوظ رکھ سکے۔ گھونسلوں میں بیا تنکوں کی ایک باریک پرت حفاظت کے لیے بھی تیار کرتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق بیا کو اپنا گھونسلہ تیار کرنے میں تقریباً 28 دن کا وقت لگتا ہے۔ یہ ایک سماجی پرندہ ہے، جو گھریلو چڑیا اور انسانی بستیوں کی طرح اپنے گھروں کی تعمیر بڑی ہنر مندی سے کرتا ہے۔ اس کا دیدار کھیت کھلیانوں اور ندی نالوں کے پاس آسانی سے ہو جاتا ہے۔

گھونسلہ بنانے کا طریقہ

سب سے پہلے گھونسلہ بنانے کے لیے نر بیا کسی درخت کی مضبوط شاخ کا انتخاب کرتا ہے۔ پھر اس شاخ پر پتے سے ایک گرہ لگاتا ہے۔ یہ واحد پرندہ ہے، جو گرہ لگا سکتا ہے۔ گھونسلے کے بنیادی ڈھانچے میں یہ گرہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے جس پر باقی کے تمام گھونسلے کا انحصار ہوتا ہے پھر اس گرہ میں مزید پتے لٹکا کر انھیں ایک

بڑے چھلے یا حلقے کی صورت میں ترتیب دیتے ہیں۔ جس میں سے یہ پرندے آسانی سے گزر سکیں۔ پھر اس چھلے کے اردگرد اسی قسم کی گھاس کے پتوں سے ایک جال سا بنتے ہیں جس سے گھونسلے کی شکل بنتی ہے۔ یہ ساخت بنانے کے لیے بیا گھاس کے پتوں کو (Structure) ساخت کے آر پار لگاتے ہیں، اور ایک دوسرے میں پروتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کپڑا بننے کے لیے دوسمتوں میں دھاگے بنے جاتے ہیں۔ گھونسلے کے نچلے حصے کو یہ پرندے لمبوتری شکل دیتے ہیں جس کے آخر میں داخلی دہانہ ہوتا ہے۔ جہاں سے یہ پرندے گھونسلے میں داخل ہوتے ہیں۔ بیا گھونسلہ بنانے کے لیے درخت کی شاخ کے بالکل آخری اور پتلے لیکن مضبوط سرے کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ سانپ اور دیگر پرندے گھونسلے میں داخل ہو کر ان کے انڈوں اور بچوں تک نہ پہنچ سکیں۔

جب نوجوان بیا بلوغت کے بعد پہلا گھونسلہ بناتا ہے تو وہ بالکل بے ڈھنگا سا ہوتا ہے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کی گھونسلہ بنانے کی صلاحیت بہتر ہوتی جاتی ہے۔

یہ سلسلہ اگست سے مارچ تک چلتا ہے۔ بیا کا گھونسلہ 100 فیصد واٹر پروف ہوتا ہے اور طوفانی بارش کا ایک قطرہ بھی گھونسلے کے اندر داخل نہیں ہوتا۔ ان کے گھونسلوں کو آرٹ کا ایک بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

■

Akbar Khan 'Ashk' Jalori
Mohalla: Habshiyan
Fort Road
Jalore - 343001 (Rajasthan)
Mob.: 9413384093
ashkjalori@gmail.com

روشنی

سید شمیم احمد مدنی

دنیا کی کچھ مادّی چیزیں ایسی ہیں جن میں فطری طور پر کچھ نہ کچھ مخفی حرارت ہوتی ہے جو اس سے لہروں کی شکل میں خارج ہو کر اطراف میں پھیلتی رہتی ہے۔اسی حرارت سے چمک پیدا ہوتی ہے جس کو روشنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حرارت مقدار میں جتنی زیادہ ہوتی ہے، یہ چمک یعنی روشنی اتنی ہی زیادہ ہوجایا کرتی ہے۔

روشنی کی تعریف میں سائنسدانوں نے بتایا کہ برقی مقناطیسی شعاعوں(Electromagnetic waves) کے ذریعے تشکیل شدہ متعدد رنگوں پر مشتمل ایک ہیولیٰ یعنی طیف (Spectrum) ہے جو انسانی بصارت کی گرفت میں آتا ہے روشنی کہلاتا ہے۔اسی سے ہم چیزوں کو دیکھ سکتے اور رنگوں میں تمیز کر سکتے ہیں۔اس کو انگریزی زبان میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"Light is a portion of electromagnetic spectrum visible to human eye."

(روشنی برقی مقناطیسی اسپیکٹرم کا ایک حصہ ہے، جو انسانی آنکھ کو نظر آتا ہے)

یہ ہیولیٰ جس کو ہم روشنی سے تعبیر کرتے ہیں سات رنگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو کسی پرزم(Prism) یا فضا کی بلندی میں بارش کے ننھے منّے قطروں سے ٹکرا کر قوس قزح کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔یہ سات رنگ مندرجہ ذیل ہیں:

1. لال(Red)
2. نارنجی(Orange)
3. پیلا(Yellow)
4. سبز (Green)
5. نیلا(Blue)
6. گہرا نیلا(Indigo)
7. اودا(Violet)

ہمارے افلاک میں سورج جلتی ہوئی ہائڈروجن

گیس پر مشتمل نظام شمسی کا مرکزی ستارہ ہے۔ ہائڈروجن گیس جل کر ہیلیم گیس میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس میں مسلسل نُکلیر فیوژن بھی ہوتا رہتا ہے۔ سائنسدانوں کے بقول سورج کی بے انتہا حرارت کے یہی دو اسباب ہیں۔ سورج کے اندرون حرارت ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ ڈگری سیلسیس سے بھی زیادہ ہے جب کہ اس کی سطح پر درجہ حرارت 6000 ڈگری سیلسیس ہی ہے۔

سورج کی یہی حرارت اس کی سطح سے برقی مقناطیسی لہروں (Electro magnetic waves) کی شکل میں خارج ہوتی ہے جس سے زبردست چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی چمک کو ہم روشنی سے تعبیر کرتے ہیں جس کا محض 6% حصہ ہم کو دھوپ کی شکل میں نظر آتا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط (1850) تک روشنی کو سورج کی شعاعوں کا کھیل سمجھا جاتا تھا۔ مگر بیسویں صدی میں ریسرچ و تحقیق کے بعد ماہرین علم طبیعات نے انکشاف کیا کہ روشنی لہروں کی شکل میں نہیں بلکہ انتہائی دقیق ذرات پر مشتمل ایک ہیولیٰ (Spectrum) ہے۔ ان ذرات کو فوٹون (photon) کہتے ہیں۔ چنانچہ روشنی کی تعریف میں کہا جانے لگا کہ :

Light exhibits properties of particles called Photon.

یعنی روشنی فوٹون نامی انتہائی دقیق (Minutest of minute) ذرات کا مجموعہ ہے جو زمین پر اور ہمارے سروں کے اوپر میں لہروں کی شکل میں رواں ہو کر روشن کرتا رہتا ہے۔

گیلیلیو نے سب سے پہلے اس کی رفتار معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ فی الوقت اس کی رفتار تین لاکھ (300,000) کلومیٹر فی سیکنڈ ہے جو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

البرٹ آئن اسٹائن نے روشنی (Albert Einsteine) کی مندرجہ ذیل صفات بیان کی ہیں :

1 روشنی (نور) کو فنا نہیں ہے۔
2 یہ زمان (time)، مکان (space) اور جہت میں بہ ہر طور یکساں رہتی ہے۔
3 خارج ہونے کے بعد منبع سے اس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔
4 روشنی کی شعاعوں کو پھیلنے کے لیے کسی واسطے (Medium) کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ہوا کی لہروں سے یکسر مختلف ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ان کو الیکٹرو میگنیٹک شعاعیں کہا جاتا ہے۔
5 وقت اور جگہ کی تبدیلی سے اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دوڑتی ہوئی ٹرین اور سیکڑوں کیلو میٹر کی رفتار سے اُڑنے والے ہوائی جہاز کے اندرو باہر اس کی رفتار یکساں رہتی ہے۔
6 ہر جگہ اور ہر زاویئے سے دیکھنے پر یہ ایک جیسی نظر آتی ہے۔
7 یہ پہلوؤں (Dimensions) یعنی ابعاد (پہلو) سے بھی عاری ہوتی ہے۔

روشنی کے علم کو آپٹکس (Optics) کہتے ہیں۔ اس علم کے ذریعے روشنی کی پیدائش، مخرج، انتشار و رفتار اور مواقع نیز حالات کے لحاظ سے اس میں ممکنہ تغیرات کے بارے میں واقفیت حاصل کی جاتی ہے۔ آپٹکس کے علم

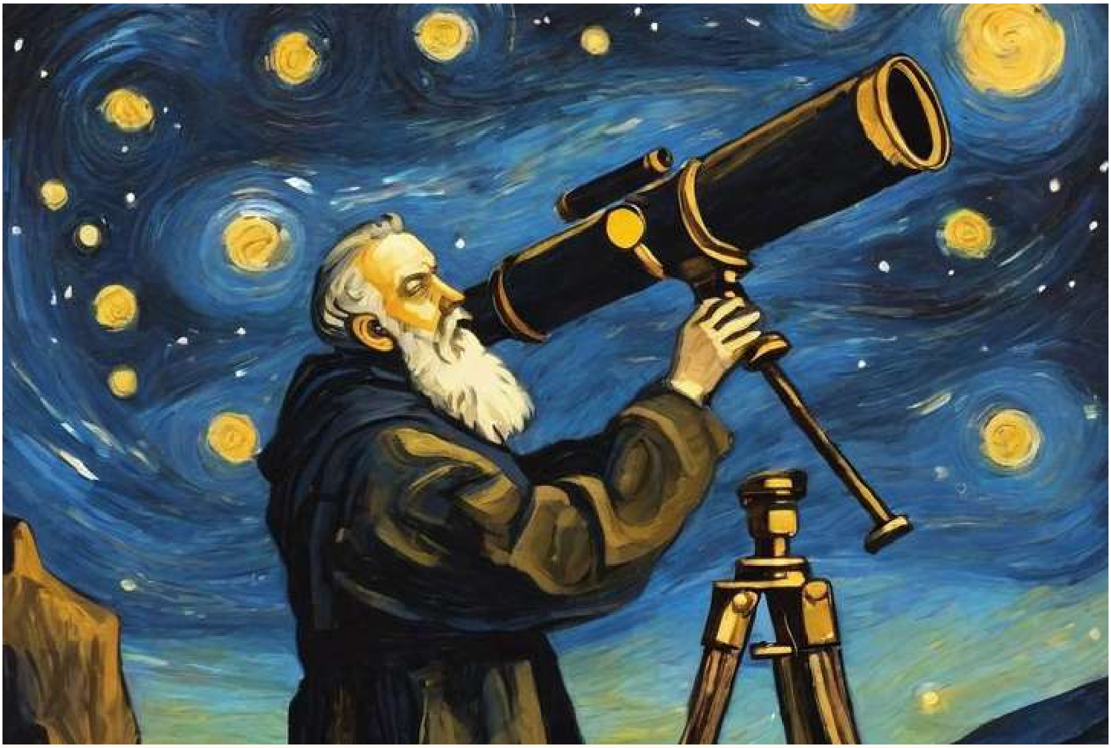

میں ترقی کی بنا پر ہی ہم پاور گلاس، عینک، کیمرہ، دوربین، مائکرواسکوپ، ایکس رے (X-Ray) اور لیزر (Laser) جیسی انتہائی کارآمد چیزیں ایجاد کرنے میں کامیاب ہوسکے ہیں۔

بچو! اوپر بتایا جاچکا کہ یونان کا وہ گیلیلیو تھا جس نے سب سے پہلے روشنی کی رفتار کی پیائش کی کوشش کی تھی۔ ابھی تک کی معلومات و انکشافات کے مطابق روشنی کی رفتار سے زیادہ رفتار والی شے دریافت نہیں ہوسکی ہے۔ کوشش کی جارہی ہے مگر وقت اور کروڑوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد بھی ابھی تک کامیابی نہیں حاصل کی جاسکی ہے۔

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ انسان کو روشنی کی رفتار سے لاکھوں گنا تیز رفتار چیز دستیاب ہے۔ وہ کیا ہے؟ یہ انسانی دماغ ہے جو سیکنڈوں میں سات آسمانوں کی سیر کرآتا ہے۔

بچو! ہے نا دلچسپ بات۔

حوالہ جات:

1 کتابیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی۔ مصنف: رابرٹ بی ڈاؤنز، ترجمہ: غلام رسول مہر، ص 346

2 بریٹانکا ریڈی ریفرنس انسائکلو پیڈیا۔ جلد6، ص64

3 ایڈوانسڈ ٹوینٹی فرسٹ سنچری ڈکشنری: پروفیسر بشیر احمد قریشی، ص623

4 علم تعلیم اور مسلمان: سید شمیم احمد مدنی، ص 67

■

Syed Shamim Ahmad Madni
Road No: 10/A, Azad Nagar, Mangu
Jamshedpur - 831012 (Jharkhand)
Mob.: 8969850416
belal.ahmad@alkabir.in

سید شہاب الدین دسنوی

کیلشیم اور میگنیشیم

ڈیوی عزم اور ہمت کا پتلا تھا۔ مقررہ تاریخ کو اس نے لیکچر دیا لیکن اس حال میں کہ جب وہ کھڑا ہوا تو اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے، چہرہ بخار سے تمتما رہا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے، لیکن جب وہ لیکچر دینے کے بعد اپنی نشست پر بیٹھا تو خوش اور مطمئن تھا۔

ایڈمنڈ نے ڈیوی کی حالت دیکھی تو گھبرا کر اس کے پاس پہنچا اور بولا کیا بات ہے ڈیوی؟ کیسی طبیعت ہے تمھاری؟"

ڈیوی بڑبڑاتے ہوئے بولا: میرا خیال ہے، مجھے ٹائی فائڈ ہو گیا ہے! لعنت ہے اس جیل خانے پر وہیں یہ بیماری تمھیں لگی ہوگی۔ ایڈمنڈ بولا۔ تین چار دن کی علالت کے بعد ڈیوی کی حالت غیر ہوگئی۔ ایک دن تو اس کے معالج اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔

رائل انسٹی ٹیوشن کے منتظمین ڈیوی کی خطرناک بیماری سے بڑے پریشان ہوئے۔ ان کی پریشانی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ادھر کچھ عرصے ان کے انسٹی ٹیوشن کو لوگوں کی طرف سے عطیات کم وصول ہو رہے تھے، اس لیے اخراجات پورا کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔ ڈیوی کے لیکچر کی آمدنی سے ان کی پریشانی دور ہونے لگی تھی۔ اگر خدانخواستہ ڈیوی مر گیا تو پھر رائل انسٹی ٹیوشن کو بند ہی کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہر روز انسٹی ٹیوشن کے منتظمین آ کر ڈیوی کی خیریت معلوم کرتے اور ان ہی پر کیا منحصر، سارے لندن میں ڈیوی کی علالت کی خبر سے بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ کلب میں بازاروں میں، گھروں میں ہر جگہ ڈیوی اور اس کے تجربوں کے تذکرے ہو رہے تھے اور اس کے ساتھ اس کی صحت یابی کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ ڈیوی کی صحت سے متعلق ایک اعلان ہر روز اس کے دروازے پر لگا دیا جاتا تا کہ لوگوں کو اس کی کیفیت کی اطلاع ملتی رہے۔ اس طرح دس ہفتوں تک ڈیوی حیات و موت کی کشمکش میں مبتلا رہا۔ آخر میں اس کے ڈاکٹروں نے فیصلہ سنایا کہ ڈیوی ٹائی فائڈ میں نہیں مبتلا ہوا تھا بلکہ کام کی زیادتی نے اسے تھکا کر بے حد کمزور کر دیا تھا اور وہ موت کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔

جنوری کے آخر میں اس کی حالت سدھرنے لگی۔

پھر بھی وہ کافی کمزور اور دبلا ہوگیا۔ لیبارٹری میں کام کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اس لیے وہ اپنی ادھوری نظموں کو پورا کرنے میں وقت صرف کرتا رہا۔

ایک مہینہ مشکل سے گزرا ہوگا کہ ڈیوی پھر اپنی لیبارٹری میں حاضر ہوگیا۔ بیماری کی وجہ سے جو وقت ضائع ہوا تھا اسے پورا کرنے کی فکر میں وہ ایک بار پھر پورے انہماک اور محنت کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اس نے کیمیا کی دنیا میں ہلچل مچانے کا دعویٰ بلا وجہ نہیں کیا تھا۔ سوڈا کھار کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے عناصر تھے جن کی تحقیق ہونی چاہیے تھے، ڈیوی ان سب پر بجلی کی روگزار کر دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کتنے سچے قسم کے عنصر ہیں۔

زمین میں پوٹاش کھار اور سوڈا کھار کی جیسی کئی اور قسم کی مٹی ملتی ہے، جو ان دونوں سے ملتی جلتی ہے، مثلاً چونا، میگنیشیا (Magnesia)، بیرائٹ (Barite)، اسٹرونشیا (Strontium)، ان پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ انھیں کتنا ہی گرم کیا جائے، یہ نہ تو ٹوٹتے ہیں نہ پگھلتے ہیں۔ انھیں پانی میں حل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ مٹی کی یہ قسمیں دوسری القلی کی طرح، تیزاب کو بے اثر کرکے نمک بناتی ہیں اور اگر بڑی مشکل سے ایسی مٹی کا بہت معمولی سا حصہ پانی میں حل ہو بھی تو اس سے لال رنگ کا لٹمس کاغذ نیلا ہوجاتا ہے۔ یہ القلی کی خاص نشانی ہے۔

ڈیوی سوڈا کھار اور پوٹاش کھار کو توڑ کر ان میں نئے عناصر دریافت کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا، اس لیے اسے یقین تھا کہ اسی طریقۂ کار سے وہ دوسری القلی مٹی کو توڑ کر نئے عناصر حل کر سکے گا۔ صرف وقت کی بات تھی اس نے سوچا اگر القلی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو پانی میں بھگو دیا جائے، پھر اس میں سے بجلی کی تیز روگزاری جائے تو پوٹاش کھار کی طرح یہ مٹی بھی ٹوٹ کر کسی نئے عنصر کا پتہ دے سکتی ہے۔ خیال تو ٹھیک تھا، لیکن معاملہ اتنا آسان نہیں ثابت ہوا جتنا کہ اس نے سمجھ رکھا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ القلی مٹی کے ٹوٹنے کے آثار پائے جاتے تھے لیکن ان تجربوں میں ایک نئی مصیبت یہ پیدا ہوئی کہ بجلی کے جن تاروں سے بجلی کی روگزاری جاتی تھی ان کے کناروں پر کسی نامعلوم دھات کی ہلکی تہہ جم جاتی۔ یہ دھات پوٹاشیم ہی کی مانند تھی جو پانی سے ہائیڈروجن باہر نکال دیتی اور کچھ دیر ہوا میں رکھی جانے پر اس میں بھی تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ بار بار کی کوششوں کے باوجود ان دھاتوں کی اتنی مقدار بھی حاصل نہ ہوسکی کہ اس پر تجربے کیے جاسکتے۔

ڈیوی حسب عادت گھنٹوں اس گتھی کو سلجھانے میں لگا رہا۔ کئی گھنٹے بجلی کی روگزارنے کے بعد بھی وہ ان دھاتوں کے صرف چند باریک ذرات ہی جمع کر پایا اور وہ بھی خالص حالت میں نہ ملے۔ ان کوششوں میں ڈیوی کی بیٹری نے جواب دے دیا۔ پھر 500 پلیٹوں کی ایک نئی طاقتور بیٹری بنائی گئی، مگر اس پر بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔

ایک دن ڈیوی کو سوئڈن کے ایک کیمیاداں برزے لی اس Berzelius کا خط ملا جس میں اس نے القلی مٹی سے دھات علاحدہ کرنے کی ترکیب بتائی تھی اور جسے وہ خود آزما بھی چکا تھا۔

برزے لی اس کی ترکیب یہ تھی کہ بیٹری سے بجلی پارے میں لائی جائے اور پارے میں القلی مٹی رکھی جائے۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ وہ دھات جس کی تلاش کی جارہی ہے القلی مٹی سے ٹوٹ کر علاحدہ ہوتے ہی پارے

میں حل ہوجائے گی۔
اس کے بعد پارے کو پانی کی طرح گرم کرکے گیس میں تبدیل کردیا جائے گا اوراس کے اڑ جانے پر صرف خالص دھات باقی رہ جائے گی۔
ترکیب معقول نظر آئی۔ ڈیوی نے فوراً اس پر عمل شروع کردیا اوراس باراس کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ ان میں سے ایک کا نام اس نے کیلشیم Calcium رکھا، کیونکہ وہ چونے سے حاصل ہوئی تھی، دوسری دھات جو میگنیشیا سے ملی میگنیشیم Magnesium کہلائی، دو اور دھاتیں بیریم Barium اور اسٹرانشیم Strontium کہلائیں۔

یہ دھاتیں چاندی کی مانند چمک دار تھیں مگر ہوا میں ان کی چمک غائب ہوجاتی اوران کی سطح میلی پڑجاتی۔ ڈیوی کو یہ سب بالکل خالص حالت میں تو نہیں ملیں لیکن اسے بنیادی طور پر صرف اتنا بتانا تھا کہ القلی مٹی خود عنصر نہیں ہے بلکہ آکسیجن اور کسی اور دھات کی مرکب ہوتی ہے۔ پوٹاشیم اور سوڈیم کی خاصیتیں معلوم ہوجانے کے بعد اب اسے ان نئے ملتے جلتے عنصروں کی خاصیتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی۔ اسے شوق ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا تھا جو لوگوں کے لیے چونکا دینے والی ہو اور حیرت انگیز ہو۔
بیکران لیکچر کے دن پھر قریب آنے لگے۔ ڈیوی جانتا تھا کہ لوگ اس کے منتظر رہیں گے۔ اس لیے وہ اس کی تیاری میں منہمک ہوگیا۔ ایک تجربے سے دوسرے کی طرف نئے نئے خیالات اور تصورات! کبھی کبھی تو وہ گندھک، فاسفورس، کاربن اور نائٹروجن جیسی اشیا کو بھی توڑنے کا خواب دیکھنے لگا۔ اس شوق میں وہ اتنا آگے بڑھا کہ تیسری بار جب بیکران لیکچر دینے کھڑا ہوا تو اس نے یہ اعلان بھی کردیا کہ فاسفورس، کاربن، گندھک اور نائٹروجن عنصر نہیں بلکہ مرکب ہیں۔ یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اگر وہ ضرورت سے زیادہ جلد بازی سے کام نہ لیتا تو اسے خود اپنی غلطی کا احساس بھی ہوجاتا، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

■

ماخذ: کیمیا کی کہانی، **مصنف:** سید شہاب الدین دسنوی، **پانچویں طباعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

دلیپ ایم سالوی، مترجم: اقبال مہدی زیدی و غلام حیدر

ایس این بوس

عظیم ماہر تعلیم اسوتوش مکھرجی نے جب یونیورسٹی کالج آف سائنس قائم کیا تو اس میں ایک ڈھنگ کی لائبریری بھی نہیں تھی۔ اس لیے جب دو ہونہار نوجوانوں کا 1916 میں اس کالج میں لکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا، جو فزکس اور ریاضی میں تحقیق کرنے کی آرزو لے کر یہاں آئے تھے تو انھیں بڑی مایوسی ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب فزکس میں انقلاب آ رہا تھا۔ آج ہم جسے نئی فزکس کہتے ہیں وہ اس زمانے میں بن رہی تھی۔ جرمن ماہر فزکس میکس پلانک نے اپنا مقدار کا نظریہ کوانٹم تھیوری (Quantum theory) پیش کر دیا تھا جس کی رو سے قوت (ایز جی) کا اخراج بہت ذرا سی مقدار میں ہوتا ہے اور البرٹ آئنسٹائن نے اپنا ریلیٹیوٹی (Relativity) کا نظریہ دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ ایٹم کے اندر کی جانکاری میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ اس کالج کے دوسرے لکچرر پرانی فزکس بڑے اطمینان سے پڑھا رہے تھے لیکن یہ دونوں نوجوان فزکس میں جدید اضافوں کے بارے میں واقفیت بڑھانے کے مشتاق تھے۔

ظاہر ہے یہ خاصہ مشکل کام تھا۔ پہلی جنگ عظیم چل رہی تھی۔ نئی کتابیں اور رسالے ملک میں نہیں پہنچ رہے تھے۔ دونوں ان کتابوں کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔ آس پاس کے اسکول، کالجوں میں تو کچھ نہ ملا لیکن کہتے ہیں۔ 'ڈھونڈے سو پائے...' ایک جرمن سائنس داں پی جے بروہل کلکتے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے پاس 'نئی فزکس' کے بارے میں کچھ کتابیں اور دوسرا چھپا ہوا مواد موجود تھا... مگر یہ سب جرمن زبان میں تھے۔

مگر یہ دونوں بھی جو علم کی تلاش میں نکلے تھے، ہار ماننے والے نہیں تھے۔ انھوں نے جرمن زبان سیکھنی شروع کر دی اور زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کے ساتھ کام کرنے والے استاد، شاگرد اور دوسرے لوگ انھیں فزکس میں نئی نئی دریافتوں کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے دیکھتے۔ اس سے زیادہ بڑی بات یہ تھی کہ انھوں نے اپنے شاگردوں کو 'ریلیٹیوٹی تھیوری' پڑھانی شروع

کردی جو اس وقت تک کہیں اور نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ 1920 میں انھوں نے ریلیٹیوٹی پر آئنسٹائن کے مضامین کو جرمن سے انگریزی میں ترجمہ کرڈالا۔ ایسا کرنے والے یہ پہلے سائنس داں تھے۔

یہ دونو جوان اور کوئی نہیں ستیندر ناتھ بوس اور میگھ ناد ساہا تھے۔ کچھ دنوں تک یہ دونوں مل کر تحقیق کا کام کرتے رہے۔ بعد میں ساہا ملک سے باہر اور بوس ڈھاکا یونیورسٹی چلے گئے۔

یہاں بوس کی زندگی میں ایک اہم موڑ آیا۔ ان کے ایک دوست نے، جو ابھی کسی دوسرے ملک سے واپس آیا تھا، میکس پلانک کی مشہور کتاب جرمن زبان میں 'تھرمو ڈائنمکس اور ہیٹ' (گرمی اور اس کی نقل و حرکت) بوس کو پیش کی۔ اس کتاب میں اس موضوع پر اس عظیم ماہر فزکس کی تمام تحریریں موجود تھیں۔ اس کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ بوس اس میں دیے سارے فارمولے اور مساواتیں خود حل کرتے چلے گئے۔

البتہ ایک جگہ وہ اٹک گئے۔ پلانک نے ایک مفروضہ (ہائی پاتھیسس) مان کر ایک مساوات قریب قریب حل کرلی تھی۔ بوس کہا کرتے تھے کہ ''کسی خیال کو اس وقت تک نہ مانو جب تک تم خود اس سے مطمئن نہ ہوجاؤ۔'' اس لیے انھوں نے اس مساوات کو بہتر ڈھنگ سے حل کرنا شروع کیا۔ یہ کرتے کرتے وہ نظریاتی فزکس (تھیورٹیکل) اور ریاضیاتی (میتھ میٹیکل) فزکس کی ایک نئی راہ نکال بیٹھے۔ اس وقت وہ مشکل سے 30 سال کے تھے۔

بوس نے چار صفحے کا ایک مضمون 'پلانکس لاء اینڈ لائٹ کوانٹم ہائی پاتھیسس' (پلانک کا قانون اور روشنی کی مقداریت کا مفروضہ) ایک ہندوستانی رسالے کو اور بعد میں باہر سے نکلنے والے کئی رسالوں کو بھیجا۔ کسی نے وہ مضمون نہیں چھاپا۔ اس زمانے میں کون یہ سوچ سکتا تھا کہ ایک نامعلوم سی یونیورسٹی میں کام کرنے والا ہندوستانی بھی کوئی انقلابی کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ عاجز آکر بوس نے وہ مضمون 1924 میں آئنسٹائن کو ہی بھیج دیا۔ بوس نے اس مضمون میں ایک جرأت مندانہ تصور پیش کیا تھا جس نے آئنسٹائن کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے خود اس مضمون کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور ایک جرمن رسالے (Zeitschrift fuer Physik) میں شائع کرایا۔ اس پر اپنی رائے دیتے ہوئے انھوں نے اسے ایک اہم پیش قدمی بتایا۔

بوس کے مضمون نے ایک نئے قسم کے اعداد و شمار (اسٹیٹسٹکس) کے وجود میں آنے میں بہت اہم رول ادا کیا۔ کسی چیز سے شعاعوں کے نکلنے یا پھوٹنے کے (شعاع ریزی، ریڈی ایشن) کے ڈھنگ کو سمجھانے کے لیے بوس نے جو اعداد و شمار دیے انھیں 'بوس اسٹیٹسٹکس' (بوس اعداد و شمار) کہا جاتا ہے۔ روشنی کے مہین ذرات جیسے فوٹون، یا الفا ذرات جو بوس اسٹیٹسٹکس کے تحت عمل کرتے ہیں بوسونز (Bosons) کہلاتے ہیں۔ اس طرح اب ان کا نام سائنس کا حصہ ہوگیا ہے۔

بوس پہلی جنوری 1894 کو پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے اسی وقت سے لوگ یقین کرنے لگے تھے کہ بڑے ہوکر وہ بھی پیرے سائمن لیپلیس، اور آگسٹین لوئس کاچی جیسے زبردست حساب داں بنیں گے۔ حساب کے سوال حل کرنے کی ان کی غیر معمولی

صلاحیت سے ان کے استاد اتنے متاثر تھے کہ انھیں وہ 100 میں سے 110 نمبر دے دیا کرتے تھے۔ اصل میں ان کے ٹیڑھے سوال پوچھنے سے ان کے استاد ہمیشہ گھبراتے تھے۔

بہرطور، بین الاقوامی شہرت انھیں بہت عرصے تک نہیں ملی۔ کافی عمر گزر جانے پر، اپنی اہم دریافت کے 34 برس بعد انھیں رایل سوسائٹی کا فیلو منتخب کیا گیا۔ دراصل کتنے ہی موقعوں پر ذمے دار اشخاص کو اپنے کام کی اہمیت کا یقین دلانے کے لیے انھیں آئنسٹائن جیسے مشہور فزکس دانوں سے سند لینی پڑتی تھی۔

بہت سے سائنس دانوں کے برخلاف بوس مجلسی آدمی تھے۔ وہ اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ساتھ گھنٹوں بات چیت کرتے رہتے۔ وہ ہر موضوع پر گفتگو کرسکتے تھے۔ فزکس کے تازہ ترین مسئلوں سے لے کر بازار میں مچھلی کے بھاؤ تک، وہ سائنس کو عام آدمی تک لے جانے کی اہمیت سے واقف تھے اور سائنس دانوں سے اپنی مادری زبان میں لکھنے کا تقاضہ کرتے تھے۔ انھوں نے ایک انجمن بنائی اور عام آدمی کے لیے سائنس کا ایک رسالہ بنگالی زبان میں نکالا۔ وہ فزکس کی اور شاخوں ’جیسے ایکس رے‘ کرسٹیلو گرافی (Crystallography) (کرسٹل کی بناوٹ اور خصوصیات وغیرہ کا علم) اور تھرمولومی نیسنس (Thermoluminescense) وغیرہ سے متعلق اپنے تجربات کے لیے مشہور تھے۔ انھوں نے ایک نیا کیمیائی مرکب بنایا جو آج بھی آنکھوں میں ڈالنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

’بوس اسٹیٹس ٹکس‘ کی ایجاد کی گولڈن جوبلی کے موقعے پر کلکتے میں ایک بین الاقوامی سمینار میں بولتے ہوئے بوس نے کہا تھا کہ اب جب ان کے کام کو پوری دنیا تسلیم کرنے لگی ہے، انھیں اور زیادہ زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے اور اس کے صرف ایک مہینے بعد ہی 4 فروری 1974 کو ان کا انتقال ہوگیا۔ عددوں کی تھیوری سے متعلق آدھا حل کیا ہوا ایک مسئلہ ان کی میز پر رکھا رہ گیا۔

■

ماخذ: ہندوستان کے سائنس داں، **مصنف:** دلیپ ایم سالوی، **مترجم:** اقبال مہدی زیدی و غلام حیدر، **پہلا اردو ایڈیشن:** مارچ 2000، **ناشرین:** چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

وکیل نجیب

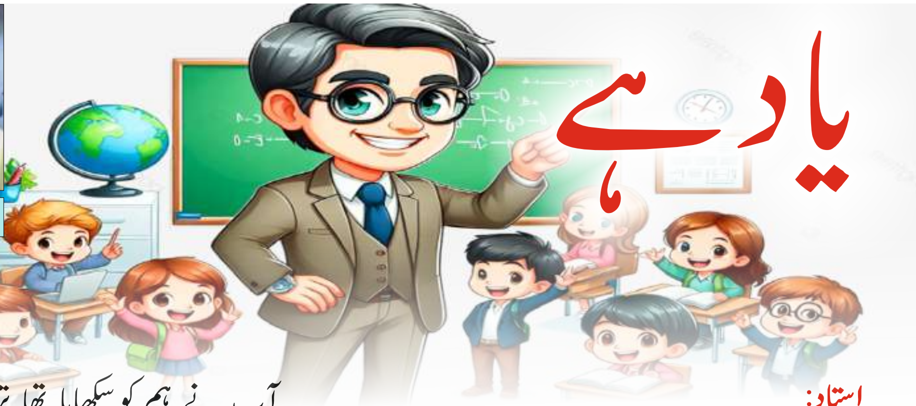

یاد ہے

نظم

استاد:

دیر سے تیرا سدا اسکول آنا یاد ہے
روز اک جھوٹا بہانہ بھی بنانا یاد ہے
وہ مرا تجھ کو کھڑا کرنا کبھی اسٹول پر
اور کبھی غص i میں وہ مرغا بنانا یاد ہے
میں اگر دو روپے تجھ سے منگاتا تھا کبھی
مجھ کو دینا دو مگر دس گھر سے لانا یاد ہے

گیدرنگ کے وقت مجھ پر نظم کا لکھنا ترا
اور اسے اسٹیج پر گا کر سنانا یاد ہے
میں اگر تجھ کو سزا دینے کبھی آگے بڑھوں
تیرا اٹھ کر بے تحاشا بھاگ جانا یاد ہے
اپنی کرسی پر اگر تھک کر کبھی سو جاؤں میں
'ہیڈ سر' کو تیرا اپنے ساتھ لانا یاد ہے
تیرے گھر کے سامنے سے میں اگر گزروں کبھی
دوستوں کے سنگ آوازیں لگانا یاد ہے

شاگرد:

میں نے جو کچھ بھی کیا وہ بھول تھی میری جناب
آپ کا ہر چیز محنت سے سکھانا یاد ہے
احترامِ آدمیت، مذہب اسلام کا
آپ نے ہم کو سکھایا تھا ترانہ یاد ہے
میں تو اک نادان بچہ تھا سمجھتا کس طرح
ہر سبق نرمی سے بچوں کو سکھانا یاد ہے
میں نہ لکھ پاتا تھا اپنی کاپیوں پر حرف تک
لفظ انگلی تھام کر مجھ کو لکھانا یاد ہے
آپ سے حاصل ہوئی ہے علم کی دولت مجھے
اپنی کم علمی کا وہ کالا زمانہ یاد ہے
گر معافی آپ نے مجھ کو نہ دی اے محترم
ساتھ میری زندگی کے، جائے گا میرا یہ غم

استاد:

بخش دیں ساری خطائیں میں نے تیری اے نجیب
تجھ کو یہ رتبہ ملا تو ہے بہت ہی خوش نصیب

شاگرد:

یہ کرم اللہ کا ہے، یہ خدا کی شان ہے

استاد:

اپنی غلطی پر جو نادم ہو وہی انسان ہے

■

Wakeel Najeeb
Near Lal Urdu School
Mominpura
Nagpur - 440018 (MS)
Mob.: 9373114213

فراق جلال پوری

مور

سندر، چنچل، پیارا مور!
باغوں کا ہے راجا مور!!
ناچ اٹھتا ہے یہ سنسار!
پنکھ ہے جب پھیلاتا مور!
بھیگا موسم، جھوم اٹھا!
باغوں میں جب ناچا مور
رنگ برنگے پنکھ اس کے!
میٹھے سپنوں جیسا مور!
دکھ میں ناچو اور گاؤ!!
یہ سندیس سناتا مور!
رینی ڈے میں بند اسکول
ناچا بن کے بچا مور
بچو! جب بھی بولے تم
میٹھی بولی بولا مور!!!
سر پر سندر تاج سجائے
جنگل جنگل ناچا مور
دُکھیا من مدھوبن ہوتا!
جگ یہ فراق جو ہوتا مور

■

Firaq Jalalpuri
Mohalla: Qazipura
Post: Jalalpur
Distt.: Ambedkar Nagar -224149
Mob.: 9758772746
firaqahmad56@gmail.com

ضیاء الرحمن جعفری

نظم

موبائل

ممی دے کر مجھے موبائل
کرتی ٹھیک ہے اپنا فائل

ان کو جب کچھ کام ہو کرنا
یا گھر سے ہو باہر رہنا

باتیں کچھ ہوں اگر ضروری
یا پھر کوئی ہو مجبوری

میں جب تھوڑا سا گھبراؤں
یا پھر رونے ہی لگ جاؤں

مجھ کو تنہا دودھ ہو پینا
یا آتا ہو بہت پسینہ

ہو مجھ میں جو کچھ گھبراہٹ
یا آئے جو کوئی آہٹ

چل جائے جو کوئی بیماری
جو ہو جائے ہم پر بھاری

ممی بس پھر یہ کرتی ہے
نہیں ذرا سا کچھ ڈرتی ہے

دے دیتی ہے مجھے موبائل
اور ہوتا ہوں جب میں مائل

کہتی ہے پھر بری یہ لت ہے
پر ان کی ہی تو عادت ہے

اتنا ورک وہ لیتی کیوں ہے
مجھے موبائل دیتی کیوں ہے

■

Dr. Zeaur Rahman Jafri
At+ Po: Mafi, Via - Asthawan
Distt.: Nalanda - 803107 (Bihar)
Mob.: 9934847981

اقبال کا جگنو

فوزیہ اختر

سر نے بھی کیا خوب لکھی ہے
جگنو پر اک نظم کہی ہے
جگنو اڑ کر آیا دیکھو
ذہن و دل پر چھایا دیکھو
جگ میں اس کا شور بڑا ہے
رات کو دن کرنے پر اڑا ہے
صبح کا رتبہ بلند کیا ہے
اندھیروں کو کمند کیا ہے
مٹھی میں بند کر لو بچو
اس کے بال و پر لو بچو
اس کو چھوٹا گر جانو گے
خوبی کیسے پہچانو گے
ننھی سی یہ جان اگر ہے
اس پر ہم کو فخر مگر ہے
جسم میں اس کے بلب اک فٹ ہے
سب پتنگوں میں اک یہ ہٹ ہے
کرنوں کے احوال کا جگنو
یہ ہے بس اقبال کا جگنو

■

Fauzia Akhter
C/O, Sakhawat Baadi Wala, 5, Komedan
Bagan Lane (Near Mullah Stationary Shop)
Kolkata - 700 016(West Bengal)
Phone no. : 7518713348

نظم

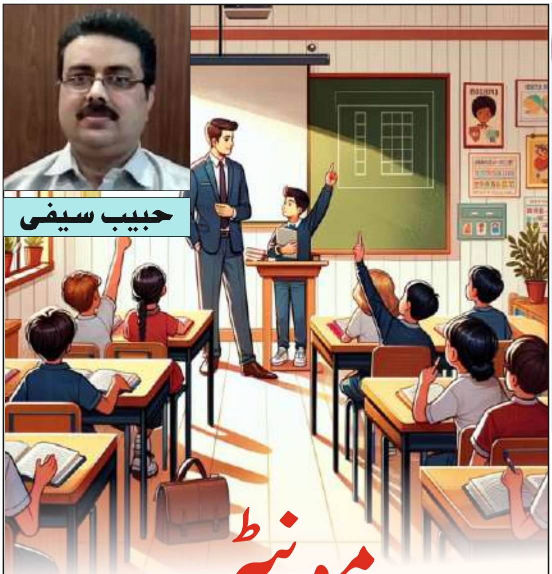

مونیٹر

بنا ہوں میں تو مونیٹر
نظر رکھوں گا بچوں پر
سمجھتے ساتھی بھی دشمن
یہ میں نے دیکھا ہے اکثر
بہانہ اک چلے گا نہیں
رہیں گے بس سبھی اندر
ضروری کام ہو کتنا بھی
نہ جائے گا کوئی باہر
پرنسپل روم ٹیچر گئیں
کہ ذمے داری ہے مجھ پر
کرے گا جو بھی شیطانی
لکھوں گا نام کاپی پر
نہ جانے کب ضرورت ہو
سنبھالے رہتا ہوں ڈسٹر
انھیں اچھا نہیں کہتے
جو ناغہ کرتے ہیں اکثر
ہر اک الفاظ و معنی سب
اتارو اپنی کاپی پر
بنا ہوں میں جو مونیٹر
عجب سا بوجھ ہے سر پر

■

Habeeb Saifi
E-12/51B, First Floor
Hauz Rani
New Delhi - 110017
Mob.: 7838038973
habeebsaifi@gmail.com

انعم جویریہ

منے راجہ

نیند سے جاگو منے راجہ
آنکھیں کھولو منے راجہ

چاروں جانب لالی چھائی
سورج نے کرنیں پھیلائی

ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی ہیں
باغ میں کلیاں کھلنے لگی ہیں

جاگ گئے ہیں سونے والے
ہنسنے لگے ہیں رونے والے

چڑیاں چوں چوں کرنے لگی ہیں
دانہ دنکا چگنے لگی ہیں

صبح کے منظر پیارے پیارے
دل کو بھاتے ہیں یہ سارے

چھپ گئے سارے چاند ستارے
اٹھ جا میری آنکھ کے تارے

■

Anam Javeriya Sayyed Kaleem
Shikshak Colony, Amdapur
Distt.: Buldhana - 444301 (MS)
Mob.: 9604581322
anamjaveriyasayeed@gmail.com

نظم

سردی آئی

سردی میں ادرک کی چائے
ابو مونگ پھلی لے آئے
گھر آیا گاجر کا حلوہ
کھایا ہم نے من و سلویٰ
پہنے سب نے کپڑے اونی
اختر اصغر ٹونی مونی
کھائیں گے ہم تل کے لڈو
دیں گے ہم کو امی ابو
کہرہ بادل بوندا باندی
اس رت میں بھائی کی شادی
ہیٹر گیزر اور الاؤ
صفدر جاکر لکڑی لاؤ
انگیٹھی میں ہیں انگارے
جیسے سلگی دیپ ہو پیارے
کرتے دانت ہمارے کٹ کٹ
پھر بھی ہم کو بھاتی ٹھنڈک

■

Sadaf Jamal
Village & Post: Mahmoodabad
Distt.: Barabanki - 225412 (UP)
Mob.: 8173889954
sadafjamal104@gmail.com

اقبال دانش

موسم

کہرے سے ہے گیلا موسم
آتا ہے برفیلا موسم

سردی سے سب کانپ رہے ہیں
یہ ہے بڑا دردیلا موسم

کب نکلے گی دھوپ سنہری
کب ہوگا چمکیلا موسم

کھیتوں میں سرسوں لہرائے
دیکھو آیا پیلا موسم

ہولی کا تیوہار آتا ہے
لے کر رنگ رنگیلا موسم

■

Iqbal Danish
Village & Post: Telari
Distt.: Rohtas - 821108 (Bihar)
Mob.: 7545857606

کے شیوالنگپا ہانڈیہل/ ظہیر رانی بنوری

کہانی

ٹفن باکس

کلاس میں اس دن مینا مس لگاتار نوٹس لکھوا رہی تھیں۔ بھوک کے مارے ہمارا برا حال تھا۔ اتل پیاس کے مارے بار بار زبان باہر نکال کر پانی پینے کے لیے بے چین تھا۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے رہنے والا پپٹو باشو مونگ پھلی نکال کر کسی طرح کھانے لگا تھا۔ مگر نکھل اور تارا جیسے تازہ دم ہو کر نوٹس برابر لکھوا رہے تھے۔

پیون بسوا کے ڈھن ڈھن گھنٹی بجاتے ہی ہم سب فوراً اپنے اپنے ٹفن باکس لے کر باہر نکل پڑے اور اسکول کے کمپاؤنڈ کے برابر میں نیم کے بڑے پیڑ کے نیچے بڑے چبوترے پر پہنچ گئے جہاں ہم روزانہ بیٹھ کر چھٹی میں کھانا کھاتے ہیں اور کبھی کبھی گاؤں کے معاملات فیصلے نہیں پنچایت میں طے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسے پنچایت کا چبوترا کہا جاتا ہے اور ہر سال اکادشی اور عید کے موقعے پر مندر کے سوامی جی یہاں بیٹھ کر نئے سال کی پیش گوئی کرتے ہیں۔

چبوترے کے نیچے چیونٹیاں مکوڑے اور درخت پر بندر اور پرندے رہتے ہیں ہم سب کھانے کے پہلے چیونٹیوں مکوڑوں کو بندروں کو بھی کچھ کھلا دیتے ہیں اور شریر اتل بندروں کو چھیڑتا ستاتا رہتا ہے۔

چبوترے پر بیٹھ کر میں (مالا) اپنے ڈبے سے ڈوسا نکالی تو اتل نے فوراً اپنے ڈبے سے کچھ نکال کر دیا۔ نندو اپنا ترکاری پلاؤ سب کو بانٹا رامو نے اپنے ڈبے سے سب کو وہی بانٹا منی نے اپنا باکس کس اتل کی طرف بڑھایا۔

آج کا یہ دن ہمارے لیے نہایت خوشی کا دن ہے کہ آج ہمارے ہیرو نکھل کا جنم دن اور اتفاق سے منی کی پسند کی بقرعید کا دن بھی ہے۔ منی کے ابا بڑے صاحب کالوہاری کے کام کی وجہ سے آس پاس کے سبھی مقامات میں جانا پہچانا نام ہے اور ان کے دو بیٹوں کے بعد منی ان کی نہایت پیاری بیٹی ہے جو ہمارے ساتھ ساتویں جماعت میں پڑھتی ہے اور اس عید میں ہر سال ہمارے لیے دودھ میں بنی سوئیاں لانا ایک دستور بن گیا ہے۔

اس خوشی کے دن ہم چبوترے پر جمع ہونے لگے اور

پھول پتوں سے چبوترے کو سجانے لگے، نکھل سفید شرٹ پیلی جینس پینٹ نئے لباس میں آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے بہت سج رہا تھا اور کیک کا باکس اپنے بازو میں رکھے بیٹھا تھا۔ منی آنے والوں سے بات کرکے ان کو ٹھیک جگہ پر بٹھانے میں مصروف تھی۔

منی کو عید منا کر آنے میں کچھ دیر لگ رہی تھی، تب تک بیکار بیٹھے رہنے کی بجائے کچھ مختصر سا کھیل کھیلنے کے لیے انل نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ سب راجا رانی کھیل کھیلنے کے لیے تیار ہوگئے مگر نکھل نے انکار کیا تو انل نے کہا چل یار تیرے کپڑے گندے نہیں ہوں گے تو بھی تیار ہوجا۔ یہ صرف بیٹھ کر کھیلنے کا کھیل ہے۔ تو وہ بھی کھیل میں شامل ہوگیا۔ اچانک ایک بندر جھانکتے ہوئے نیچے آنے لگا تو انل نے ہاتھ اٹھا کر مارنے کا اشارہ کیا۔ وہ درخت پر چڑھ گیا۔ کھیل دلچسپی کے ساتھ چل رہا تھا مگر نکھل کی توجہ کیک پر تھی، انل نے اسے ٹوکا کہ تیرا کیک محفوظ ہے۔

سب کھیل میں مگن تھے۔ اچانک کچھ آواز آئی اور سب نے اس طرف دیکھا تو دنگ رہ گئے کہ دو بندر کیک باکس اٹھا کر بھاگ رہے تھے۔ ہم سب فوراً اس طرف بھاگے مگر بندر کیک لے کر درخت کے اوپر چڑھ گئے اور صرف دو منٹ میں دو کلو کا کیک چٹ کر گئے، نکھل نے بہت افسردہ ہوکر انل کو غصے سے دیکھا اور زار زار رونے لگا۔

اچانک انل کھڑا ہوکر کہنے لگا وہ دیکھو منی آرہی ہے۔ مگر نکھل افسردہ ہوکر سوچنے لگا کہ میرا جنم دن تو برباد ہوگیا۔ منی نے کہا نکھل تم افسردہ کیوں ہو آج تمھارا جنم دن ہے۔ نکھل نے کہا ٹھیک ہے رہنے دو منی آج تمھاری عید کے دن تم جو بریانی لائی ہو یہ سب کھانے کے لیے بے چین ہیں، پہلے ان کو کھلاؤ منی نے کہا یہ تو معمول ہے مگر تم اپنے جنم دن پر خوش رہنا۔ نکھل نے کہا سب کچھ ختم ہوگیا۔ ایسا لگتا ہے میرا جنم دن منانے کی کسی کو خوشی نہیں تھی پھر جو کچھ ہوا اس نے منی کو بتایا تو منی نے کہا بس اتنی سی بات۔ ادھر دیکھو میں تمھارے لیے کیا لائی ہوں۔ کہتے ہوئے اپنا ٹفن ڈبہ کھولنے لگی تو نکھل فوراً دو قدم پیچھے ہٹ گیا، سب نے دیکھ کر کہا کہ سوپر ویری نائس، نکھل نے ٹوکا ویری نائس جی بھر کے بریانی کھالو، تب میں نے اسے اشارے سے بلایا اور کہا جیسا تم سمجھ رہے ہو ویسا کچھ نہیں ہے۔ آؤ دیکھو یہ کیا ہے تو اس نے ناک پر کپڑا لگائے آہستہ سے ڈبہ میں جھانک کر دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور ناک سے فوراً کپڑا ہٹا کر بولا واہ سوپر ویری نائس۔ منی عید کے لیے بنائی سوئیاں کچھ سخت کرکے کیک کی شکل میں بنا کر اس پر کاجو بادام سجا کر اس نے خوبصورت انداز میں نکھل کو جنم دن کی مبارکباد دی۔ نکھل کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ اپنا جنم دن منایا اور منی سے سوئیاں لے کر کھائیں۔ پھر تیز ہوا چلی تو نیم کے پھول اور پتے پر گرنے لگے پھر ہم سب ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

(کنڑ زبان سے اردو ترجمہ)

■

Zaheer Ranebennauri
(Radio & T.V. Poet)
Murtunja Nagar, H. No: 1273
Ranebennur- 581115(Karnataka)
Mob.: 7483567325
zaheernr34@gmail.com

سلیم خان

محبت کی دولت

خالد کی تیاری ہو نہ ہو، کوئی طالبِ علم لیٹ ہو جائے یا کسی وجہ سے اسکول کی چھٹی میں تاخیر ہو جائے، مگر احمد چاچا کا رکشہ ہمیشہ وقت پر حاضر رہا کرتا۔ نہ بچوں کو انتظار کرنا پڑتا نہ کبھی والدین کو شکایت کا موقع ملتا۔ نالے کے پار بسے روشن نگر کوٹیڑھے میڑھے، تنگ راستوں کے سبب اسکول بس کی سہولت نہیں تھی۔ یہاں کے اکثر طلبہ کو احمد چاچا اپنی ape رکشہ کے ذریعے اسکول لے جایا کرتے تھے۔ وہ اپنی اس خدمات کے لیے پورے علاقے میں مشہور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نیا تعلیمی سال شروع ہونے سے پہلے ہی ان کے رکشے کی سیٹیں بک ہو جایا کرتی تھیں۔

احمد چاچا کا رکشہ لگژری بس کی طرح سجا ہوا تھا۔ وہ صفائی پسند تھے اور اپنے رکشہ کو بھی ہمیشہ صاف ستھرا رکھا کرتے تھے۔ رکشہ کا رنگ اور ہارن عام رکشوں سے کچھ الگ ہونے کے سبب بچے اسے دور ہی سے پہچان لیا کرتے تھے۔ چاچا کو اس کام میں لگے دس بارہ سال ہو چکے تھے۔ ابتدا میں جو طلبا ان کے رکشہ سے اسکول جایا کرتے تھے، اب کالج جانے لگے تھے۔ وہ بچے جب بھی انھیں دیکھتے بڑے ادب سے سلام کیا کرتے۔ چاچا ان میں سے کسی کو پہچان لیا کرتے اور کسی کو پہچان نہ پاتے، لیکن ان نوجوانوں کو دیکھ کر انھیں بے حد خوشی ہوتی۔ ان بچوں میں خالد کا سراپا ان کی آنکھوں میں بسا ہوا تھا۔ گورا رنگ، سنہرے بال، گہری نیلی آنکھوں والا خالد بے حد ذہین اور تیز طرار تھا۔ اسکول جاتے وقت وہ سب سے پہلے اچھل کر رائٹ سائڈ کی سیٹ پر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اگر کوئی لڑکا کہتا کہ میں پہلے آیا ہوں، میں یہاں بیٹھوں گا تو وہ آنکھیں دکھا کر کہتا، ''ابے جا جا، یہ میری ریزرو سیٹ

ہے۔ میں ہمیشہ یہیں بیٹھوں گا۔ خالد کے چلبلا اور شرارتی ہونے کی وجہ سے اس کے والدین نے چاچا سے اس پر خاص نظر رکھنے کی گزارش کی تھی اور وہ اکثر انھیں گھر بلا کر خالد کے بارے میں پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔

ایک روز کا واقعہ ہے خالد ہمیشہ کی طرح رکشا کی سائڈ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے سڑک پر اپنا ایک دوست دکھائی دیا اور اس نے ہیلو ہائے کرنے کے لیے جیسے ہی اپنا ہاتھ باہر نکالا اس کا ہاتھ قریب سے اوور ٹیک کرتی ہوئی تیز رفتار کار کی زد میں آ گیا۔ اس کی دردناک چیخ سے آس پاس بیٹھے بچے لرز اٹھے۔ چاچا نے گھبرا کر رکشہ سائڈ میں لگایا۔ فوراً بچوں کو ادھر ادھر ایڈجسٹ کیا اور خالد کو سیٹ پر لٹایا۔ اس کے زخمی ہاتھ پر اپنا رومال لپیٹا اور بے تابی سے اس کے والد کو فون پر اس حادثے کی اطلاع دی۔ اسکول قریب ہی تھا۔ چاچا نے پہلے بچوں کو اسکول پہنچایا اور پھر تیزی سے خالد کو اس کے ابو کی ہدایت کے مطابق لائف کیئر ایکسیڈنٹ اسپتال لے گئے۔

خالد کو اسکول یونیفارم میں دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے فوراً اس کا ابتدائی ٹریٹمنٹ شروع کر دیا، اور اس کے ابو کے آتے ہی انھیں سمجھایا کہ بچے کے انگوٹھے کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ اسی وقت سرجری کرنی پڑے گی۔

ابو کے درخواست دیتے ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنا کام شروع کر دیا۔ تین گھنٹے تک آپریشن چلتا رہا۔ اس کے بعد خالد کو آئی سی یو میں رکھا گیا۔ ادھر احمد چاچا کو پریشان دیکھ کر خالد کے ابو نے کہا، ”چاچا جی آپ گھبرائیے مت۔ ہم سمجھ سکتے ہیں یہ سب خالد کا کیا دھرا ہوگا۔ آج آپ نے ہمارے لیے کافی بھاگ دوڑ کی ہے۔ اب جائیے تھوڑا آرام کیجیے۔“

”نہیں نہیں پروفیسر صاحب خالد کو ہوش آنے دیجیے۔ ورنہ میرا دل بے چین رہے گا۔“

”ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔“

ہوش آنے کے بعد خالد کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کیا گیا۔ امی اس کے سرہانے بیٹھ کر دعائیں کرتی رہیں۔ جب خالد درد سے کراہنے لگا تو امی نے اسے پیار کرتے ہوئے رُندھی آواز میں دلاسہ دیا۔ ”حوصلہ رکھو بیٹا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے آپ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ احمد چاچا آپ کو اسپتال لے آئے اور بروقت تمھارے انگوٹھے کی سرجری ہو گئی۔“ روہانسا ہو کر خالد نے نظریں جھکا لیں، اور پھر دواؤں کے اثر سے وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ خالد کی حالت دیکھ کر احمد چاچا کی آنکھیں بھر آئیں۔ پروفیسر صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا، ”فکر نہ کرو چاچا، ان شاء اللہ خالد کا ہاتھ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ اب آپ جائیے بچوں کی چھٹی کا وقت ہو رہا ہے۔“

شام کو وزٹ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خالد کے والدین کو اطمینان دلایا کہ سب ٹھیک ہے۔ دو تین ماہ میں خالد کا انگوٹھا پہلے کی طرح کام کرنے لگے گا، لیکن خیال رہے دواؤں کے ساتھ احتیاط بھی ضروری ہے۔ چھٹی کے بعد احمد چاچا خالد کی عیادت کو آئے تو اس کے لیے بہت سا انار اور سیب ساتھ لائے۔ جب انھوں نے خالد کے سر پہ ہاتھ رکھ کر خیریت پوچھی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں، ”سوری چاچا، میری وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔“

”نہیں بیٹے کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی ہماری چھوٹی

موٹی غلطی سے بڑا حادثہ ہوجاتا ہے۔ اللہ آپ کو ایسے حادثوں سے محفوظ رکھے اور جلد صحت یاب کرے۔‘‘

امی ابو نے خالد کو برابر وقت پر دوائیں دیں اور آٹھوں پہر اس کا خیال رکھا۔ بہتر کنڈیشن کے سبب اسے دو روز بعد دواخانے سے چھٹی مل گئی، مگر ڈاکٹر صاحب نے سخت تاکید کی تھی کہ آپ کو سرجری والے ہاتھ کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔‘‘

اس حادثے کے بعد خالد کچھ سنجیدہ ہوگیا تھا۔ اپنے والدین اور احمد چاچا کی پریشانی دیکھ کر اسے اپنے لاابالی پن کا کئی دن تک شدید احساس ہوتا رہا۔ ابو امی بھی اس پر پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگے تھے۔ احمد چاچا بھی اس کا ہر طرح خیال رکھا کرتے اور وہ بھی والدین کی خوشنودی کے لیے خوب پڑھائی کرنے لگا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق انگوٹھے کی حفاظت کے لیے وہ دو تین ماہ تک اسمارٹ ٹیبلیٹ فون پر اپنا تحریری کام کرتا رہا اور پھر رفتہ رفتہ ہاتھ سے لکھنا شروع کیا۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا اور خالد امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتا گیا۔ اب وہ ابو کے اسکوٹر سے جونیئر کالج جانے لگا تھا۔ احمد چاچا اسے کبھی کبھار ہی دکھائی دیتے۔ مگر جب بھی ان سے ملاقات ہوتی وہ بڑی عقیدت سے سلام کرکے ان کی خیریت پوچھا کرتا۔ دن گزرتے رہے۔ احمد چاچا معمول کے مطابق اپنے رکشے پر گلی محلے کے بچوں کو اسکول لے جاتے رہے۔ ان کے رکشے سے اسکول جانے والے کئی طلبہ چھوٹی بڑی نوکریوں پر لگ گئے تھے۔

خالد کے بارہویں پاس ہونے کے بعد اس کی خواہش پر ابو نے اسے ڈاکٹری کورس کے لیے ماسکو بھیج دیا تھا۔ اس نے پانچ سال تک بڑی محنت اور لگن سے پڑھائی کی اور جب وہ M.B.B.S کی ڈگری لے کر وطن لوٹا، امی ابو، احمد چاچا، رشتے دار اور پڑوسیوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ پھر خالد کی پلاننگ کے مطابق تعمیر کی ہوئی عمارت میں ایک شاندار تقریب منعقد کی گئی اور دواخانے کا افتتاح کیا گیا۔

خالد نے اپنے دواخانے کا نام اپنی والدہ کے نام پر ثنا اسپتال رکھا تھا۔ روشن نگر میں یہ پہلا دواخانہ تھا جس میں مریضوں کے لیے ہر طرح کی سہولت فراہم تھی۔ ڈاکٹر خالد کے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ تھا۔ اسے غریب محتاجوں سے دلی ہمدردی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دواخانے میں شب و روز مریضوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے وہ شہر کا مشہور و معروف ڈاکٹر بن گیا تھا۔

ایک روز خالد اپنے دواخانے پہنچا تو اسے مریضوں کے درمیان احمد چاچا دکھائی دیے۔ انھیں دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ’’چاچا جی آپ یہاں۔!!؟‘‘ اس نے اپنائیت سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور انھیں اپنے ساتھ کنسلٹنگ روم لے گیا، ’’کہیے چاچا کیا تکلیف ہے۔!؟‘‘ احمد چاچا نے لرزتی آواز میں کہا، ’’بیٹا رات سے بخار ہوگیا ہے۔‘‘ خالد نے انھیں چیک کیا۔ ’’چاچا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ پھر انجکشن لگانے کے بعد دوا دیتے ہوئے کہا، ’’یہ وبائی بخار ہے۔ ان شاء اللہ ایک دو روز میں آپ ٹھیک ہوجائیں گے اور ہاں، خدانخواستہ آئندہ دواخانے آنا پڑے تو نمبر نہ لگائیں۔ کمپاؤنڈر سے

کہہ دیا کریں۔'' خالد نے چاچا کے منع کرنے کے باوجود ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنے رکشہ تک پہنچایا۔ رکشہ دیکھ کر اسے اپنے بچپن کی کئی باتیں یاد آگئیں۔ کئی دل کش منظر اس کی آنکھوں میں ابھر آئے۔ مگر رکشہ کی حالت دیکھ کر اسے بڑا دکھ ہوا۔ وہ جس سیٹ پر بیٹھا کرتا تھا پھٹ چکی تھی۔ سائڈ گلاس دھندلا گئے تھے۔ ونڈ شیلڈ پر خراشیں آگئی تھیں اور ٹائر بھی کافی گھس چکے تھے۔ چاچا کو رکشہ شروع کرنے میں بڑی کوشش کرنی پڑی، اور جب رکشہ آگے بڑھا تو انجن کی آواز سن کر خالد سمجھ گیا کہ رکشہ کھٹارا ہو چکا ہے۔ اسے دیر تک احمد چاچا کی بدحالی کا احساس ہوتا رہا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد خالد نے امی ابو کو احمد چاچا کا احوال سنایا۔ روداد سن کر ابو نے کہا، ''خالد میاں، احمد چاچا کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، ان کے بیٹا نہیں ہے۔ تین بیٹیاں ہیں۔ بس کسی طرح اپنے رکشے کے ذریعے زندگی کی گاڑی کھینچ رہے ہیں۔ وہ غریب ہیں مگر ان کے پاس محبت کی دولت ہے۔ جسے لٹا کر انھیں بڑا سکھ ملتا ہے۔ اسکول کے زمانے میں انھوں نے اپنے بیٹے کی طرح آپ کا خیال رکھا ہے۔ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے تھے،' آپ خالد کی فکر نہ کیا کریں میں اس کا پورا خیال رکھتا ہوں۔ بیٹا، اللہ نے ہمیں ہر طرح سے نوازا ہے۔ آپ بھی ان کا خیال رکھا کریں۔''

''جی ابو، ان شاء اللہ ضرور۔!''

اور پھر اگلے دن شام کو ڈاکٹر خالد کی بائک احمد چاچا کے گھر پہنچی۔ اسے اچانک اپنے ہاں دیکھ کر ان کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مارے خوشی کے تیز قدموں سے صحن میں چلے آئے۔ اسی وقت ساتھ آئے کمپنی کے ملازم نے رکشہ کی چابی خالد کے سپرد کی اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ اپنے آنگن میں نیا رکشہ دیکھ کر چاچا نے حیرت سے دیکھتے ہوئے۔ پوچھا، ''یہ نیا رکشہ ...!؟'' خالد نے ان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ان کی طرف چابی بڑھاتے ہوئے کہا، ''یہ میرے ڈاکٹر بننے کی خوشی میں آپ کے لیے تحفہ ہے۔''

''نہیں بیٹے، نہیں نہیں؛ میں یہ نہیں لے سکتا۔!''

''چاچا میرے ڈاکٹر بننے میں آپ کی محبتیں اور بڑی خدمات شامل ہیں۔ یہ آپ کا حق ہے۔ اسے قبول کر لیجیے، ورنہ امی ابو بھی ناراض ہو جائیں گے۔'' خالد نے چابی ان کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

خالد کی باتیں سن کر چاچا کچھ بول نہ سکے۔ ان کی آنکھیں بھر آئیں اور انھوں نے خالد کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے خوب دعائیں دیں۔ یہ سب دیکھ کر دروازے میں کھڑی چاچی کی آنکھوں سے بھی خوشی کے آنسو چھلک پڑے۔

''چلتا ہوں چاچا، دواخانے کا وقت ہو گیا ہے۔''

اور خالد جھومتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بائک پر سوار ہو گیا۔

چاچی نے چمچماتے رکشے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، ''تحفے میں اتنا قیمتی رکشہ، میں تو حیران ہوں۔!!''

''بیگم، یہ رکشہ محبت کا تحفہ ہے، اور محبتیں، بڑی دلدار اور وفادار ہوتی ہیں جو جتنی بانٹتا ہے، اس سے زیادہ اس کے پاس لوٹ آتی ہیں۔!!''

■

Saleem Khan
Millat Nagar Faizpur-425503
Distt: Jalgaon (Maharashtra)
Mob.: 9730573897
khansaleem0313@gmail.com

گلہائے رنگا رنگ

محمد الیاس

اعظم کچھ دنوں سے ضد کر رہا تھا کہ مجھے تو الیکٹرک اسکوٹی دلا ئیے مجھے آٹو رکشہ میں بیٹھ کر اسکول جانا اچھا نہیں لگتا، کبھی کبھی بازار بھی جانا پڑ جاتا ہے تو ای رکشہ میں یا آٹو میں جانا پڑتا ہے پھر سواری کے انتظار میں بہت دیر تک سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ گرمی کے موسم میں دھوپ میں کھڑے کھڑے پسینہ آجاتا ہے۔ اس کے امی ابو اسے تسلیاں دیتے رہتے تھے کہ بیٹا دیکھو جیسے ہی ہمارے مالی حالات اجازت دیں گے ہم فوراً آپ کی ضد پوری کر دیں گے۔ مگر اعظم تھا کہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

آج اتفاق سے اعظم اپنی امی کے ساتھ بازار جا رہا تھا اور معمول کے مطابق سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ای رکشہ کا انتظار کر رہا تھا جہاں وہ کھڑا تھا وہاں سے ایک اوور برج شروع ہوتا تھا جو تقریباً آدھا کلومیٹر لمبا تھا۔ آج وہ یہاں کھڑے ہو کر صرف سواری کا انتظار ہی نہیں کر رہا تھا بلکہ یہاں سے آنے جانے والی سائیکلوں، موٹر سائیکلوں، کاروں، بسوں، ٹرکوں اور ٹھیلوں پر پھل، سبزیاں اور دیگر سامان لادے لوگوں کو بڑی محنت اور مشقت کر کے پل پر چڑھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک ای رکشہ ان کے قریب آکر رکا اور اعظم اپنی امی کے ساتھ اس میں بیٹھ کر اپنی منزل مقصود پر روانہ ہو گیا مگر اب اس سے رہا نہ گیا اس نے امی سے سوال کر ہی لیا کہ امی یہ غریب اور مزدور لوگ اتنے مفلس کیوں ہوتے ہیں؟ ان کے پاس گاڑیاں کیوں نہیں ہوتیں؟

اچھا تو تم چپ چاپ کھڑے یہی سوچ رہے تھے، امی نے کہا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ آج اعظم کچھ کھانے پینے

کی ضد کیوں نہیں کر رہے ہیں؟

''ہاں امی میں یہی دیکھ رہا تھا کچھ لوگ تو بڑی تیزی سے اپنی گاڑیوں سے گزر رہے تھے اور کچھ بڑی محنت اور جفاکشی کے ساتھ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے، پسینے سے ان کے کپڑے تر ہو رہے تھے۔''

''یہ تو اللہ کا نظام ہے بیٹے، اس کے پاس ہر طرح کی دولت ہے کسی کو کسی دولت سے نواز دیتا ہے کسی کو کسی دولت سے۔ بیٹے یہ محنت کش لوگ اپنے کنبہ کی پرورش کے لیے اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے روزانہ پسینے پسینے ہو جاتے ہیں تب کہیں جا کر دو وقت کی روٹی کا انتظام کر پاتے ہیں، مگر شام کو کچھ روپے کما کر جب یہ اپنے گھر واپس جاتے ہیں تو ان کو جو مسرت و اطمینان ملتا ہے اس کا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ وہ مسرت ان مہنگی گاڑیوں میں سفر کرنے والوں کو نصیب نہیں ہوتی۔''

''یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ محنت کر کے اپنے صحیح مشن کو پورا کرنا ہی زندگی کا اصل مقصد ہے، چاہے اس کے لیے کتنا ہی پسینہ بہانا پڑے۔'' اعظم نے کہا۔

ہاں بیٹے۔ اس کی امی نے جواب دیا ''ابھی جس مشن پر تم کام کر رہے ہو، اسی پر تمھاری پوری توجہ مرکوز ہونی چاہیے کیونکہ یہ لوگ جو آج بھاری بھرکم کام کر رہے ہیں ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو تعلیم یافتہ نہیں ہیں اور

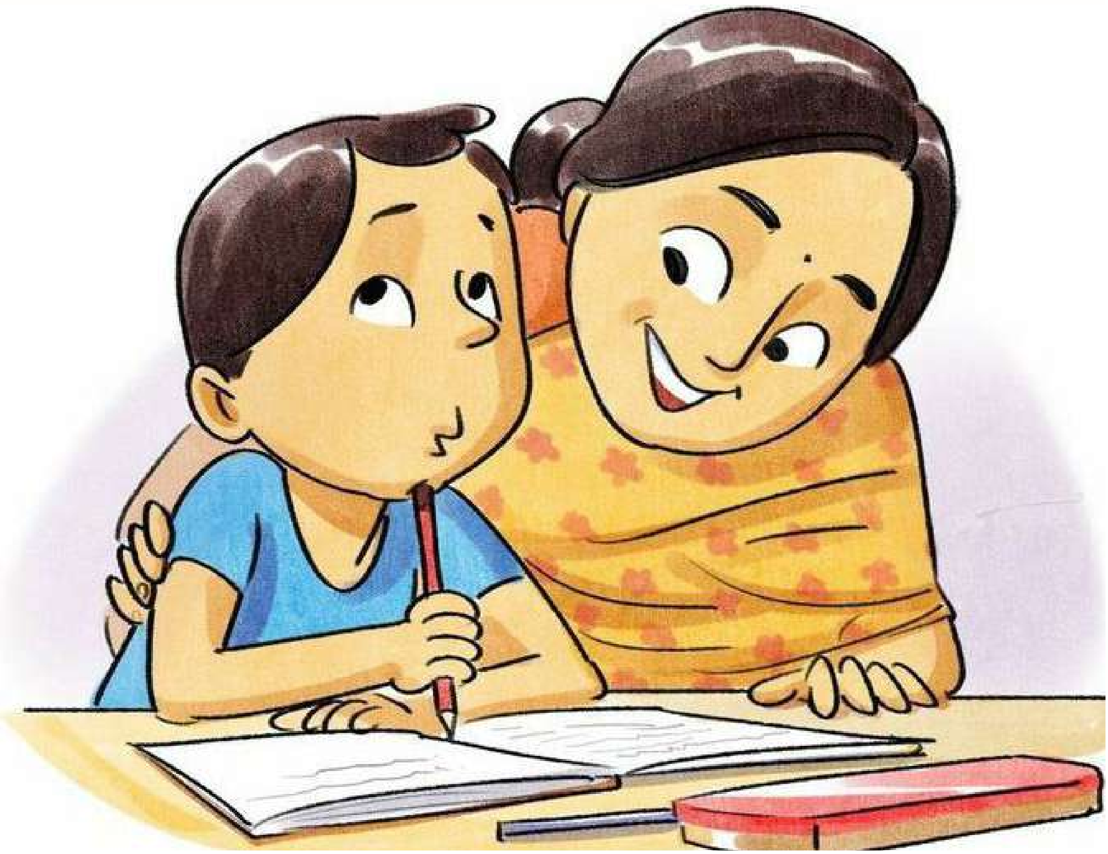

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی گھریلو ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے مجبوراً پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔'' اعظم کی امی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

وہ درجہ پنجم کا طالب علم تھا، اب وہ بالکل معصوم تو تھا نہیں، حالات کو جاننے اور سمجھنے کی اس کی صلاحیت میں برابر اضافہ ہو رہا تھا ویسے بھی اس کے والدین کبھی کبھی اسے گھر سے باہر لے جاتے، اس سے کچھ تفریح بھی ہو جاتی مگر وہ ہر بار عوامی سواری سے ہی باہر نکل پاتا اسی لیے وہ کافی عرصے سے الیکٹرک اسکوٹی کے لیے ضد کر رہا تھا۔

آج پھر وہ بازار جانے کے لیے اپنی امی کے ساتھ گھر سے نکلا اور وہ دونوں اسی سڑک کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے جہاں سے اوور برج شروع ہوتا ہے۔ اعظم کی والدہ کی نگاہیں کسی ای رکشے کو تلاش کر رہی تھیں لیکن اعظم کی نظریں ایک پھلوں کے ٹھیلے والے ضعیف شخص پر جمی ہوئی تھیں جو ٹھیلے پر بہت وزن ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے اوپر چڑھا رہے تھے۔ اعظم نے سوچا اس وقت اگر اس شخص کی مدد کر دی جائے تو کتنا اچھا ہوگا..... بے اختیار وہ دوڑا دوڑا ان کے قریب پہنچا اور ٹھیلے کو دھکا دینے میں ضعیف شخص کی مدد کرنے لگا۔ ضعیف نے منع بھی کیا کہ بیٹے ابھی تم چھوٹے ہو میں خود اسے اوپر لے جاؤں گا مگر اعظم ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، آج شاید پہلی بار اس نے اتنی مشقت کا کام کیا تھا۔ اوپر تک جاتے جاتے اسے پسینہ آ گیا۔

ادھر اس کی امی پریشان تھیں کہ اعظم کہاں کھو گیا۔

اُسی وقت اعظم واپس اپنی امی کے پاس پہنچا اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں، کپڑے پسینے میں بھیگ گئے تھے۔ امی نے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تم کہاں چلے گئے تھے، میں پریشان ہو گئی تھی۔

اعظم نے کہا امی وہ ٹھیلے والے بڑی مشکل سے اپنا وزن لے کر اوپر کی طرف جا رہے تھے میں نے ان کی مدد کر دی۔ انھوں نے مجھے بڑی دعائیں دیں کہ بیٹا تم ضرور ایک دن بہت بڑے آدمی بنو گے، بس تم محنت سے پڑھتے رہنا۔

''یہ تو تم نے بہت اچھا کیا مگر مجھے بتانا تو چاہیے تھا'' امی کہنے لگیں ''بیٹا ایک اہم بات آج تم کو بتاتی ہوں اسے کبھی مت بھولنا 'جس دن تم کسی کی مدد کرو گے اس دن تمھیں جو اطمینان وسکون حاصل ہوگا وہ دنیا کی کسی دولت سے حاصل نہیں ہوگا' اور اس کے برعکس اگر تمھاری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی تو تمھارا ضمیر تمھیں خود ملامت کرتا ہے اور تمھیں بے چین رکھتا ہے۔

اور پھر اس کے بعد اعظم نے کبھی الیکٹرک اسکوٹی کے لیے ضد نہیں کی، کیونکہ اب اس نے دنیا کے مختلف رنگ دیکھ لیے تھے۔ کس کس طرح سے لوگ زندگی گزارتے ہیں وہ ایک ہوشیار بچہ بن گیا تھا، اب اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ حصولِ تعلیم کے لیے محنت کر کے ہی اپنا ہدف حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

■

Mohammad Ilyas
385, Peetal Basti
Moradabad
Mob.: 9412838085
ilyas385@gmail.com

شجاع الدین شاہد

دریا دِلی

بات آزادی کے قبل کی ہے۔ دکن کا علاقہ اس وقت نظام کی سلطنت میں شامل تھا۔ ودربھ کا علاقہ بھی اسی کا حصہ تھا۔ اس علاقے کا ایک گاؤں دریا پور، جسے دریا خان نے آباد کیا تھا۔ وہاں ایک احمد زمیندار رہتا تھا۔ جو بہت بڑی زمین پر کاشت کرتا تھا۔ خوب محنت کرتا اسی محنت کی بدولت اس کی زمین سونا اگلتی۔ دھیرے دھیرے اس کا شمار اس علاقے کے زمینداروں اور رئیسوں میں ہونے لگا۔ کئی ایکڑ زمین کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی بڑا وسیع تھا۔ وہ بلا تفریق مذہب غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتا۔ گاؤں کے ضرورت مندوں کے علاوہ وہ آس پڑوس کے گاؤں والوں کی بھی مالی مدد کرتا رہتا۔ اس وجہ سے اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کسی کام کے سلسلے میں اسے دوسرے گاؤں جانے کا اتفاق ہوا چونکہ اس زمانے میں سفر، بیل گاڑی اور گھوڑوں کی مدد سے کیا جاتا تھا۔ موٹر گاڑیوں کا اس وقت وجود نہیں تھا۔ وہ اپنی گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ اسے جس گاؤں جانا تھا ست پڑا پہاڑ کے دامن میں واقع تھا، اس گاؤں کا نام لال کھڑگ تھا۔ جنگلوں سے گھرا راستہ تھا۔ ڈاکوؤں کی دہشت بھی عام تھی، جو قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس سفر میں احمد بھی ڈاکوؤں کی لوٹ کا شکار ہو گیا۔ اس کا سارا اثاثہ لوٹ لیا گیا۔ وہ اس لٹی پٹی حالت میں وہ لال کھیڑ پہنچ گیا۔ اسے امید تھی کہ اس گاؤں کے لوگ اس کی دریا دلی سے واقف ہیں اور سبھی نے اس سے مالی فیض اٹھایا ہے، اسے دیکھتے ہی اس کا پرتپاک خیر مقدم کریں گے مگر اسے مایوسی ہوئی، کسی نے بھی اس کی خیریت دریافت نہیں کی، بلکہ سبھی نظریں بچا کر گزر گئے۔ اسے احساس ہوا کہ چڑھتے سورج کی سبھی پوجا کرتے ہیں۔ وہ دل برداشتہ ہو کر اپنے گاؤں کی سمت چل نکلا، اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے دل میں طے کر لیا تھا کہ وہ اب کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ وہ کافی تھک چکا تھا، اس کی نظر ایک آم کے درخت پر پڑی جس کی شاخیں آموں سے لدی ہوئی تھیں۔ وہ درخت کے قریب پہنچ گیا۔ لذیذ آموں سے اپنی بھوک مٹائی اور گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں ستانے لگا کہ اس کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں اسے ایک بزرگ نظر آئے جنھیں دیکھ کر فرشتہ کا گمان ہوتا

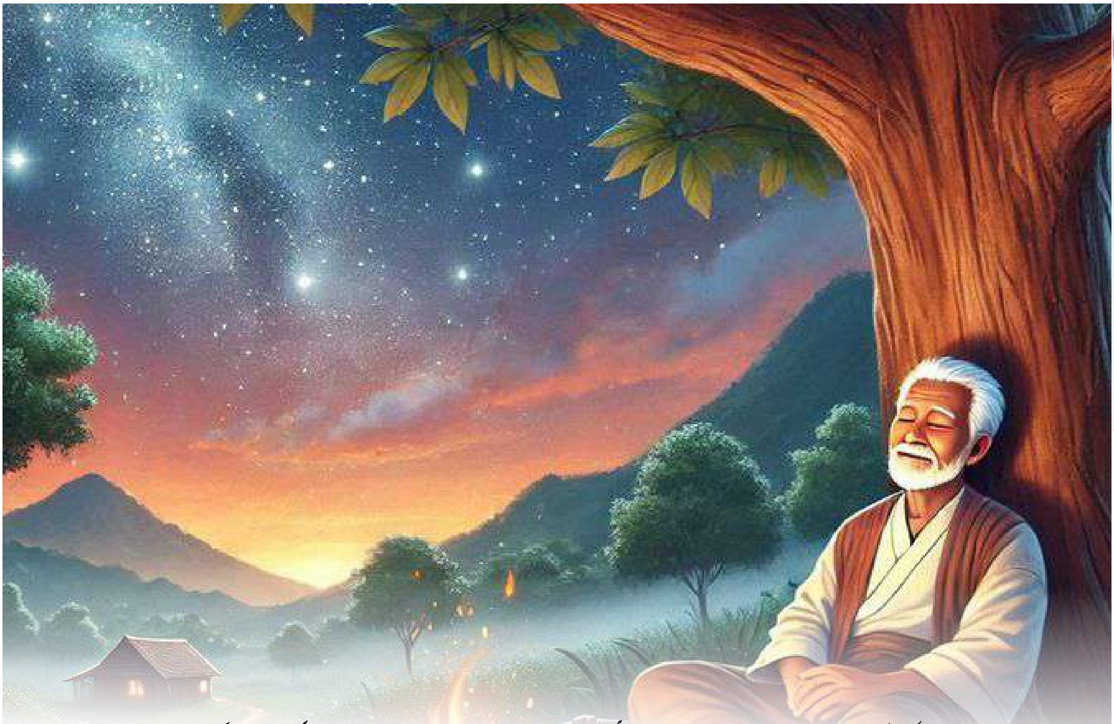

تھا۔ احمد نے ان بزرگ کو اپنی ساری داستان کہہ سنائی۔ بزرگ نے کہا۔

دیکھو میاں! زندگی برف کے ٹکڑے کی مانند ہوتی ہے، اسے کس طرح استعمال کرنا ہے، یہ ہم پر منحصر ہے۔ اگر اسے نالی میں ڈال دیا جائے تو یہ پگھل جائے گا، بیکار جائے گا اور اگر اسے ایک گلاس پانی میں ڈال دیا جائے تو کسی کی پیاس بجھا کر دعاؤں کا تحفہ بن کر ہمارے کام آئے گا اور ''دیکھو میاں!'' کام کرتے جاؤ پھل کی فکر مت کرو۔ اچھے اور نیک عمل کا اجر اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اب دیکھو نا یہ درخت جس کی گھنی چھاؤں میں تم نے آرام کیا جس کے لذیذ پھلوں سے تم نے اپنی بھوک مٹائی۔ کچھ دیر بعد تم یہاں سے چلے جاؤ گے، یہ پیڑ برسوں سے یہیں کھڑا ہے، سبھی مسافر اس کی چھاؤں اور پھلوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے بھی اس کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ کیا اس درخت نے پھل پیدا کرنا اور چھاؤں دینا بند کر دیا؟ اس درخت نے تو کبھی شکایت نہیں کی بلکہ ہر بار ہر کسی کی مدد کرتا رہا۔ وہ دیکھو شاہ نور ندی جو صدیوں سے بہہ رہی ہے، سب کی پیاس بجھا رہی ہے، اپنا فرض نبھاتی جا رہی ہے۔ کیونکہ قدرت نے ہر شئے کا وجود انسانیت کی فلاح و بہبود اور فیض پہنچانے کے لیے کیا ہے، اس طرح انسانی زندگی کا بھی یہی مقصد ہے کہ اس کی ذات سے تمام انسانوں کو فیض پہنچتا رہے۔ جب احمد کی آنکھ کھلی تو اس کی سمجھ میں سب کچھ آ چکا تھا۔

■

Shujauddin Shahid
C-5, Sawambhu, Society No 1
Near Care Hospital
Mahada, Malwani, Malad (West)
Mumbai - 400095 (Maharashtra)
Mob.: 9969039485

مقصود خاں علیگ

معصوم ہاتھ

کل میں اپنے معمول کے برخلاف سویرے جلدی اٹھ گیا اور سیر کرنے کے ارادے سے ایک قریب کے پارک میں گیا وہاں جا کر سب سے پہلے کسرت کی۔ اس کے بعد کچھ دوست نظر آئے۔ انھوں نے مجھ کو دیکھتے ہی ایک نیک مسلمان کی طرح سلام کیا۔ میں نے ایک خاندانی انگریز کی طرح گڈ مارننگ بول کر جواب دیا۔

دوستوں کے ساتھ ان کے بچے بھی تھے۔ ان بچوں نے مجھ کو چالاک چاچا کے نام سے مخاطب کر کے سلام کیا، پھر میں نے دوستوں اور ان کے بچوں کے ساتھ مل کر ایک گھنٹے تک جم کر کھیل کھیلا۔ مجھ سے زیادہ پھرتی بچے دکھا رہے تھے۔ میں ان بچوں کے سامنے چوچو کا مربہ لگ رہا تھا۔ ایک بچے نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ آپ اتنے ایکٹو ہیں کہ آپ کو دیکھ کر خرگوش بھی شرما جائے۔ میں نے جواب دیا کہ خرگوش کیا چیتک گھوڑا بھی میرے سامنے ایسے دوڑتا ہے جیسے ہوائی جہاز کے سامنے چیونٹی۔

ایک شرارتی بچے نے بہت ہلکی آواز میں سوال کیا کہ کچھ زیادہ تو نہیں ہو گیا۔ میں نے اس بچے کو مشورہ دیا کہ اپنے حساب سے کم کر لو۔ میں بچوں سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ یکا یک میری نظر پارک کی دیوار سے باہر گئی جہاں پر ایک معصوم بچہ کسی گہری فکر کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے پھٹے کپڑے اور میلے جسم کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہ بھیک مانگنے والا بچہ ہے۔ میں اس کے قریب گیا اور اس سے بات چیت شروع کی۔ نام پوچھنے پر بتایا کہ انیس نام ہے۔ میں نے کہا انیس میرے ساتھ آؤ میں تم کو پوری کھلاؤں گا۔

اس نے کہا کہ بابا وہ تو دوپہر کو ملے گی نا؟ پہلے یہ بتاؤ کہ میری مزدوری کتنی رہے گی؟ میرا اس کے بارے میں یہ خیال کہ وہ بھیک مانگنے والا ہے، غلط ثابت ہوا۔

اس کے بتانے پر پتہ چلا کہ وہ ایک مزدور بچہ ہے۔

میرے پوچھنے پر کہ آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ مجھ سے چھوٹے دو بھائی اور ہیں۔ اور ایک مجھ سے بڑا بھائی ہے جو سارا دن سوتا رہتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ میرے گھر کے بہت سارے پیسے اس نے شراب میں خرچ کیے ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی کچھ کر نہیں سکتے کہ وہ بہت چھوٹے ہیں۔

وہ ماں کے ساتھ دن میں رہتے ہیں۔ شام کو مزدوری کر کے میں آٹا چاول دال خریدتا ہوں، پھر گھر جا کر ماں کو دیتا ہوں، پھر ماں کھانا بناتی ہے۔ جس دن میں کام نہ کروں۔ اس دن ہم سب کو بھوکا رہنا پڑتا ہے۔

کام کرنا میری مجبوری ہے صاحب!

اس کی یہ باتیں سن کر میں نے اپنے ایک دوست کو بلایا جو بچوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ اس کو اس بچے کے بارے میں بتایا کہ یہ بچہ ٹوفی کھلونا کھیل اور لڈو کے بجائے مزدوری مانگ رہا ہے۔ جو اس کے لیے ضروری لگ رہی ہے۔ بچے کے تعلق سے یہ ساری باتیں سن کر میرے دوست نے دریا دلی کا ثبوت دیا کہ اس بچے اور اس کے دو چھوٹے بھائی کا داخلہ ایک اسکول میں کرایا۔ ساتھ ہی سارے گھر کا خرچ بھی اٹھایا۔ اس کے بڑے بھائی کو ریہیلٹیشن سنٹر میں ایڈمٹ کرایا۔ وہ چھوٹا سا مزدور بچہ جس کا نام انیس تھا۔ بڑا ہو کر ایک بڑے عہدے پر بیٹھا اور سماج کی اس برائی یعنی بال مزدوری کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

■

Maqsood Khan Alig
E-61, Hammad Residency
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 8595687815
funetib@gmail.com

ریاض اختر شفیق

حقیقی خوشی

اس برق رفتار دنیا میں ہر انسان ترقی کی اَن گنت منزلیں سر کرنے کے لیے بیتاب ہے۔ خوب سے خوب تر طرز زندگی کی سوچ وفکر انسان کے اوپر حاوی ہوتی جا رہی ہے، سائنس وٹکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں لوگوں کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں کہ وہ اپنوں سے دردمندی کی دو باتیں کریں، زندگی کی اس چکا چوند میں لوگ اتنے اندھے ہو چکے ہیں کہ انسان کی بستیوں میں رہ کر بھی وہ انسانی پریشانیوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ایک انسان دوسرے انسان سے راہ و رسم بنانے سے پہلے اس کا معیار، سماجی رتبہ، سیاسی دبدبہ اور مالی حالت دیکھنے لگا ہے۔ رشتے داروں میں سیاسی اور معاشی اعتبار سے مضبوط شخص سے تعلقات بحال کرنے کو لوگ ترجیح دے رہے ہیں، لوگ پیسوں کے لیے اتنے گر چکے ہیں کہ ان کے لیے اپنے بیگانے ہو چکے ہیں اور بیگانے اپنے۔

رفعت نامی لڑکی بھی کچھ ایسی ہی ذہنیت کی مالک تھی، وقتی ترقی کے نشے میں وہ سبھی کو بھول چکی تھی، اس کے ذہن سے یہ بات مٹ چکی تھی کہ وہ بھی کبھی غریب تھی اور غربت نے اس کا جینا مشکل کر رکھا تھا۔

رفعت نے ان تمام لوگوں سے قطع تعلق کرنے میں عافیت سمجھی جنھوں نے ترقی کے پائدان چڑھنے میں اس کی مدد کی تھی۔ سماج کے دبے کچلے لوگوں کو نفرت بھری نظروں سے دیکھتی، وقت کے ساتھ اس نے والدین سے بھی کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا اور الگ رہنے لگی۔ اچھی روشوں کو اپنانے، انسانی اقدار کو بحال کرنے جیسے موضوعات کا ذکر اس کے لیے اب فضول بحث تھا۔ زمانے کے اس بہاؤ میں سچ، جھوٹ اور جائز و ناجائز کی تمیز اس کی نگاہ میں مٹتی جا رہی تھی۔

رفعت کی زندگی ایسے ہی تیز و تند تھپیڑوں کے سہارے چل رہی تھی۔ دوسری طرف وہ ایک نوجوان لڑکی تھی، عصری علوم پر اس کو قدرت حاصل تھی، سماج و معاشرہ

میں تعلیم کی روشنی عام کرنے کی خواہش مند تھی، گاؤں گاؤں جا کر تعلیمی بیداری کے لیے اپنی بساط بھر جتن کرتی، طلبا و طالبات کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرتی اور اس کے حصول کی ترغیب دیتی۔ ظاہری طور پر لوگ اس کے اس عمل سے خوش ہوتے اور مثبت امید رکھتے۔ گاؤں کے چوراہوں پر اکثر اس کا تذکرہ ہوتا کہ! رفعت معاشرے میں تعلیم کو فروغ دے کر اچھی سوسائٹی دیکھنے کی خواہاں ہے تو بعض لوگ کہتے! سماج کی ترقی کے لیے ہمیں رفعت کا بھرپور ساتھ دینا چاہیے، تبھی ہم اچھے معاشرے کی تشکیل کی امید رکھ سکتے ہیں۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد رفعت کو جاب کی تلاش تھی، اس لیے اپنی تعلیمی لیاقت کا مختصر خاکہ کئی جگہوں پر ارسال کیا تھا۔

ایک دن کی بات ہے وہ صبح سویرے بیدار ہوئی، ناشتے سے فارغ ہو کر تنہا اپنے روم میں بیٹھی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، ریسیو کیا تو چہرہ پر خوشی کا عکس ظاہر تھا چونکہ ہندوستان کی ایک بڑی کمپنی میں اسے انٹرویو کے لیے بلایا جارہا تھا۔ مقررہ تاریخ کو اسے انٹرویو کے لیے کمپنی پہنچنا تھا۔ رفعت بہت خوش تھی، دل میں ان گنت خواہشات تھیں۔

ماں نے نرم لہجے میں پوچھا کہ بیٹی واپس کب آنا ہے، رفعت نظر انداز کرتے ہوئے بولی ''اچھی کمپنی میں جاب لگ جائے تو شہر میں رہنے کو ترجیح دوں گی''، اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولی'' ماں! گاؤں رہنے لائق کہاں ہوتا ہے اور شہر جہاں زندگی کے سارے لوازمات موجود ہوں تو پھر گاؤں کا رخ کون کرے گا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے گھر سے نکل گئی اور والدین کو سلام تک کرنا گوارہ نہیں کیا، اسٹیشن جا کر انکوائری دفتر سے ٹرین کے متعلق معلومات کرنے پر پتہ چلا کہ اس کی ٹرین کچھ منٹ قبل روانہ ہو چکی ہے۔

یہ سنتے ہی رفعت کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے وہ خود کو قابو نہ کر سکی اور بے جان سا جسم لیے نیچے بیٹھ گئی اور زور زور سے رونے لگی۔ اسٹیشن پر موجود کئی لوگ جمع ہو گئے۔ وجہ معلوم کرنے کے بعد سب نے رفعت کو اطمینان دلایا اور کوئی تدبیر نکالنے کی کوشش کی، لیکن کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ اچانک رفعت کے سامنے ایک بوڑھی خاتون آئی، تسلی دیتے ہوئے نرم لہجے میں بولی، بیٹی میں تمھیں جانتی ہوں تمھاری ماں میری بچپن کی دوست ہے۔ ہم دونوں کا بہت سارا وقت ساتھ گزرا ہے، تمھارے والدین اخلاق و عادات کی بہترین مثال ہیں، جہاں تک ممکن ہو میں تمھارا ساتھ دوں گی۔

پھر بوڑھی خاتون رفعت سے گویا ہوئی! دراصل میرا بیٹا یہاں کا اسٹیشن ماسٹر ہے، وہ ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔ وہ بوڑھی رفعت کو پکڑے سیدھے بیٹے کے پاس لے گئی۔ بیٹا فرماں بردار تھا، لڑکی کی پوری بات سننے کے بعد بولا! دیکھو بہن! دس منٹ بعد اس اسٹیشن سے ایک Super Fast ٹرین گزرنے والی ہے، جس کا ٹھہراؤ یہاں تو نہیں ہے لیکن میں آپ کے لیے اپنے افسران سے بات کر کے ٹرین کچھ وقفے کے لیے روک سکتا ہوں، لڑکی کافی خوش ہوئی بولی، بھیا یہ مہربانی تا حیات نہیں بھولوں گی، اس طرح ٹرین آئی اور رفعت انٹرویو کے لیے روانہ ہو گئی...

رفعت مضبوط ارادے کے ساتھ انٹرویو میں شامل

ہوئی، نتائج کی لسٹ میں اس کا نام بھی سرفہرست تھا۔ چنانچہ وہ جاب کرنے لگی، اچھی رقم پاکر بہترین زندگی گزارنے لگی۔ اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں مشغول ہوگئی۔ والدین کی حالت دریافت کیے بغیر خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگی۔

دن یونہی گزرتے گئے، ایک لمبے وقفے کے بعد اسے خیال آیا کہ میرے پاس عیش وعشرت کی ساری چیزیں مہیا ہے لیکن دل اطمینان وسکون سے خالی ہے۔ روپیہ پیسہ کے بدولت اچھی زندگی چل رہی ہے پھر بھی رنج و ملال چہرے پر نمایاں ہے۔ دن بہ دن بہتر حلیہ بنانے کی کوشش تو ہورہی ہے لیکن ذہنی بدحواسی پیچھا نہیں چھوڑتی شاید احساس ندامت سے وہ بوجھل ہورہی تھی اور اس کے اندر سے ایک آواز خود اسی سے مخاطب تھی جو اسے بتارہی تھی کہ رفعت! تم نے والدین کو وہ مقام نہیں دیا جو دینا تھا، ماں باپ کی اطاعت اس طرح نہیں کی جو تم سے مطلوب تھا۔ ٹرین نکل جانے پر والدین کی کرم نوازی سے سفر آسان ہوا ہے، زندگی کی خوشحالی بزرگوں کی نیک خواہشات کی بنا پر ہے وہ روز بروز خود کو سنے لگی۔

ایک صبح رفعت بیدار ہوئی اور گھر جانے کا ارادہ کیا، کمپنی سے چھٹی لے کر فوراً گھر کے سفر پر روانہ ہوئی پہنچتے ہی ماں باپ کو گلے لگایا آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

ایک لمبے وقفے کے بعد اس کے دل کو سکون اور روح کو آرام ملا، ذہن میں تازگی آئی، قلبی راحت اور ذہنی آسودگی کا احساس ہوا۔ اب رفعت کے اندر سے ایک ہی آواز نکلتی کہ ماں کی اطاعت، بزرگوں کی دعائیں اور دوست و اقارب کے ساتھ خوش گفتاری سے ہی انسان حقیقی خوشی حاصل کرسکتا ہے۔

■

Mohd Reyazuddin
Madhurapur
Bajpatti
Seetamarhi - 843314 (Bihar)
Mob.: 9162090838
mdreyazshafique@gmail.com

جواب

1	الاسکا(Alaska)	2	Photosynthesis	3	1945	4	Joey
5	وٹامن بی	6	کرکٹ	7	کیکٹس	8	Rafflesia
9	Thar	10	Kakapo	11	Ostrich	12	Samantha Harvey
13	28فروری	14	برازیل 5بار	15	6	16	Air Quality Index
17	پوٹاش	18	Antarctic Desert	19	Meteorology	20	آسٹریلیا

تحفہ

ثمینہ بانو

یہ کہانی کسی گاؤں یا کسان کی نہیں بلکہ شہر برہانپور میں رہنے والے دو بھائیوں سونو اور مونو کی ہے۔ ان کا اصل نام نوشین اور محسن تھا، لیکن سونو اور مونو نام سے مشہور تھے۔ دونوں بھائی بہت نیک دل اور بہت مہذب تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ ساتھ میں اسکول جاتے/ ساتھ میں واپس آتے۔ کھانا پینا، پڑھنا لکھنا، کھیل کود اور رات کو ساتھ میں سونا۔ سونو دسویں جماعت پاس کرکے گیارہویں جماعت میں گیا اور مونو نویں جماعت پاس کرکے دسویں جماعت میں گیا۔ دونوں ہی اپنی اپنی کلاس میں اول درجے پر آئے تھے۔ اسکول سے بہت سارے انعامات ملے۔ والدین نے اس خوشی میں انھیں ایک سائیکل تحفے میں دی۔ دونوں نے اپنے والدین کا شکریہ ادا کیا۔

ایک روز اسکول میں پریئر کے وقت ٹیچر نے اعلان کیا کہ ضلع پیمانے پر پینٹنگ، سائیکل ریس اور مضمون نگاری مقابلہ منعقد ہونے جارہا ہے جس میں ضلع کے سبھی اسکولوں کو شامل ہونا ہے۔ سونو نے مضمون نگاری میں اور مونو نے سائیکل ریس میں حصہ لیا۔ مقابلے کو کچھ روز باقی تھے، سب اپنی اپنی تیاری میں لگ گئے۔ سونو نے اپنا مضمون تیار کیا جس کا عنوان 'وقت کی پابندی' تھا اور مونو سائیکل ریس کی تیاری کرنے لگا۔ مقابلے کا وقت آچکا تھا، سب ہی مقالے میں پورے جوش کے ساتھ شامل ہوئے۔ مقابلہ پینٹنگ سے شروع ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے آخری راؤنڈ مضمون نگاری اور سائیکل ریس تک پہنچا، پہلے مضمون نگاری کی باری آئی۔ سبھی بچوں نے اپنا اپنا مضمون پڑھ کر سنایا۔ آخر میں سونو کی باری آئی اس نے پرجوش ہوکر 'وقت کی اہمیت' کو بہترین انداز میں پیش کیا۔ اس مضمون نے سب کو متاثر کیا۔ آخری راؤنڈ سائیکل ریس تھی جس میں مونو بھی شامل تھا۔ اس نے پورے جوش سے ریس کے چار راؤنڈ پاس کیے۔ ریس کے آخری راؤنڈ میں اس کے پیر پر سائیکل کے پینڈل سے چوٹ لگ گئی جس سے وہ دوسرے نمبر پر آیا۔ اب انعامات تقسیم کرنے کا وقت ہو چکا تھا۔ بچے سرٹیفیکیٹ اور بہت سے انعامات سے نوازے گئے۔

اب مضمون نگاری اور سائیکل ریس کی باری تھی جس میں مضمون نگاری میں سونو کو فرسٹ پوزیشن حاصل ہوئی، سائیکل ریس میں مونو کو سیکنڈ پوزیشن حاصل ہوئی۔ انھیں گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ دونوں کو بے تحاشا خوشی ہورہی تھی۔ دونوں مقابلہ ختم ہونے کے بعد گھر آئے، والدین دادا دادی سب نے خوب دعائیں دیں۔ اسکول میں بھی خوب تعریف ہوئی۔

اسی درمیان سونو نے سوچا کہ میرا چھوٹا بھائی مونو دسویں جماعت پاس کرے گا تو میں اسے تحفے میں موبائل دوں گا، میں ابھی سے پیسے جمع کرنا شروع کردیتا ہوں۔ سونو ہر روز پیسے جمع کرتا، کچھ اپنی ضرورت کے لیے رکھتا، کچھ گلک میں ڈالتا۔

ہنسی خوشی دن گزر رہے تھے، ان کے سالانہ امتحان

بھی قریب آ گئے۔ دونوں نے خوب من لگا کر محنت سے امتحان کی تیاری کی اور امتحان پاس کیا۔اس بار پھر دونوں بھائی اسکول میں اول درجے پر آئے۔ دوستوں اور اساتذہ سب نے بہت مبارکباد دی۔دونوں نے بھی ایک دوسرے کو خوب مبارکباددی۔دونوں خوشی خوشی گھر آ گئے،سونو کے پاس موبائل لینے کے لیے پیسے بھی جمع ہو گئے تھے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ موبائل لینے گیا اور موبائل مونو کو تحفہ میں دیا۔اسے تحفہ بے حد پسند آیا،خوشی سے اپنے بھائی کو گلے لگا لیا۔

سونو نے موبائل تو دے دیا تھا لیکن اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ موبائل کی وجہ سے دونوں کی زندگی میں اتنی تبدیلی آ جائے گی،سونو اپنے چھوٹے بھائی سے پہلے ہی کی طرح بے حد محبت کرتا لیکن مونو کے برتاؤ میں تبدیلی آنے لگی تھی، وہ اپنا زیادہ وقت موبائل کے ساتھ گزارتا۔ اسکول جانے میں دیری کرنے لگا۔ ہوم ورک بھی پورا نہ کرتا اور نہ ہی اپنے بھائی کے ساتھ وقت بتاتا۔فیس بک، انسٹا گرم، یو ٹیوب، وہاٹس ایپ، ٹیلی گرام، جیسے وقت ضائع کرنے والے ایپ، فضول ویڈیو گیم جو صرف نقصان کے سوا کچھ نہیں دیتے، سوشل میڈیا وغیرہ کے جال میں پھنستا چلا گیا، نہ کسی کی بات مانتا، اپنے دادا دادی کا بھی کہنا نہیں سنتا، دن بہ دن موبائل کا دیوانہ ہوتا گیا۔یہاں تک کہ والدین کی نافرمانی اور برائیوں میں ملوث ہو گیا۔اس کے اندر چڑچڑاپن پیدا ہو گیا اور ہر بات پر بگڑنے لگا،غصہ اور چڑچڑے پن کی وجہ سے اس کے دماغ پر برا اثر ہونے لگا جس سے سر میں بار بار درد ہوتا اور نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے آنکھوں سے پانی بہتا۔ وقت پر کھانا نہ کھانے سے کمزوری ہونے لگی، موبائل کی وجہ سے اس کی صحت خراب رہنے لگی وہ بے چین رہنے لگا۔

یہ سب دیکھ کر سونو سوچنے لگا کہ سب میری غلطی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔کاش میں نے اپنے بھائی کو موبائل نہیں دیا ہوتا تو یہ سب نہیں ہوتا۔

دھیرے دھیرے مونو کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا اور سب سے معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ دیکھنا میں پھر سے پہلے والا مونو بن جاؤں گا، ان شاء اللہ۔

سب خوش ہوکر ہنسنے لگے۔ سونو نے بھی اپنے چھوٹے بھائی مونو سے معافی مانگی۔ کہا کہ میری غلطی کی وجہ سے تم موبائل میں لگ گئے تھے۔اگر میں نے موبائل کی بجائے کتابیں لا کر دی ہوتیں تو آج یہ نہیں ہوتا۔ساری غلطی میری ہے۔اسی وقت مونو بات روک کر کہنے لگا کہ نوشین بھائی تم مجھ سے معافی مت مانگو،تم نے تو میری بھلائی کے لیے موبائل دیا تھا۔میں نے ہی اس کا غلط استعمال کیا۔معافی تو مجھے آپ مانگنی چاہیے۔ آپ مجھے معاف کر دیجیے، سونو کہنے لگا کوئی بات نہیں،غلطیاں تو سب سے ہوتی ہیں۔

اس کے بعد سونو نے مونو کے جنم دن پر بہت سی کتابیں تحفے میں دیں جسے وہ ہر روز پڑھتا ہے اور اپنے علم میں اضافہ اور عمل کو بہتر بناتا ہے۔

پیارے بچو! اپنے دوست احباب کو ایسا تحفہ دو جو بہترین بھی ہو اور ان کی زندگی میں قدم قدم پر کام آئے۔ کتابیں بہترین تحفہ میں سے ایک ہیں، لہٰذا کتابوں کا تحفہ دو۔

■

Sameena Bano Mohd Afzal
Govt Urdu Girls Higher School
Haripura
Burhanpur- 450331 (MP)

قسط 14

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

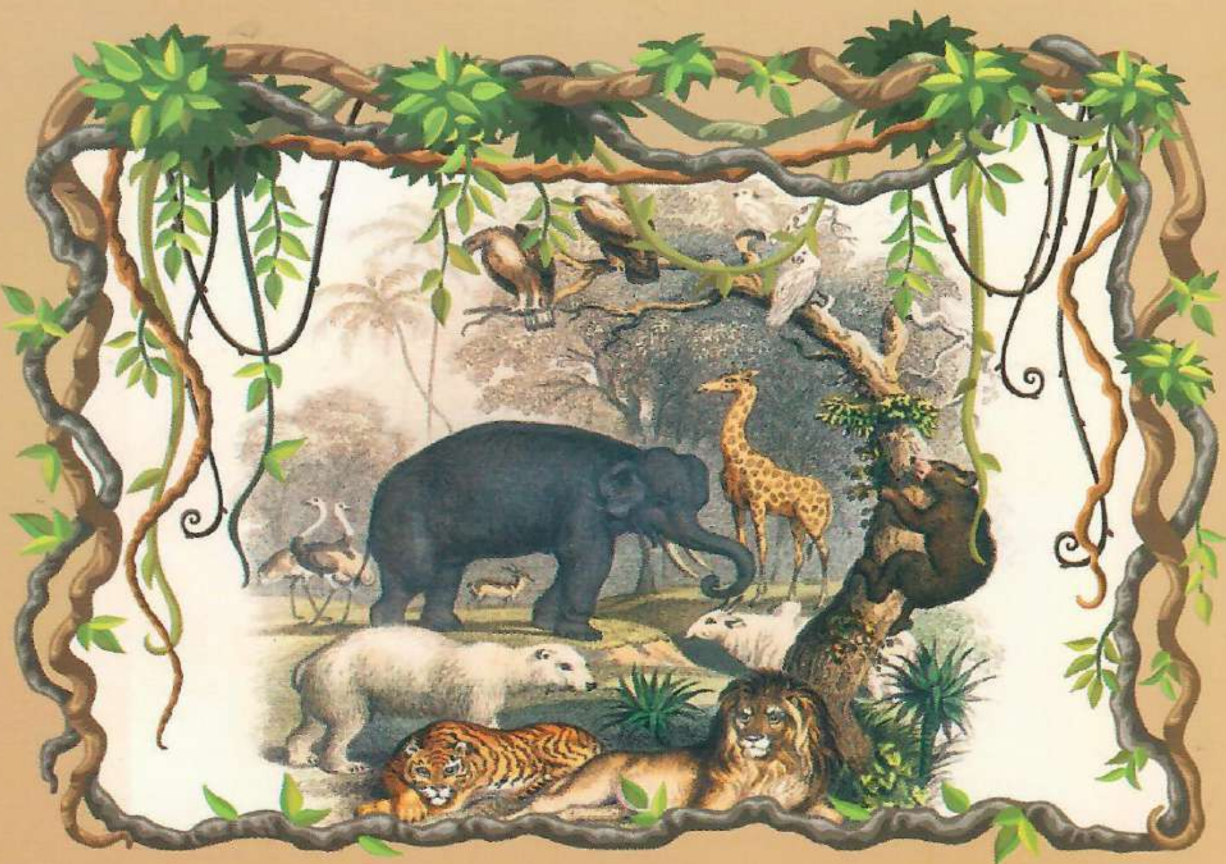

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور قا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسندکے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے۔

اب تک آپ بھیڑیا اور گیدڑ، شیر خاں کی دھمکی، بھیڑیا گروہ میں موگلی کا مطالعہ، شیر خاں کی سازش، لال پھول کا کرشمہ، موگلی جنگل سے انسانوں کی بستی میں، شیر خاں کا خاتمہ، انسانی سماج سے اخراج، قسم پوری ہوئی، بندروں کی بری صحبت، موگلی بندروں کی قید میں پڑھ چکے ہیں۔ 'قا، اژدھا کی تلاش میں' میں بتا گیا ہے کہ بھالو اور بگھیراقا (اجگر) کی تلاش میں نکلتے ہیں اورجلد ہی ان کی ملاقات قا(اجگر) سے ہوجاتی ہے،قا ایک بہادر اورجنگجو اژدھا ہے جو بندروں کا شکار بڑی آسانی سے کرتا ہے، یہ دونوں اس سے درخواست کرتے ہیں کہ موگلی کو بندروں کی قید میں ہے اس لیے اسے بندروں سے بچانے میں وہ ان کی مدد کرے،قاموگلی کو بچانے کے لیے تیار ہوجاتا ہے اوروہ تینوں موگلی کو بچانے کے لیے بندروں کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ اب آگے (ادارہ)

چیل نے موگلی کا پیغام دیا

’’اپ، اپ، اپ، بلو۔ بلو۔ بلو۔ شبنی بھیڑیا گروہ کے بھالو، اوپر دیکھو۔‘‘ آواز کہاں سے آرہی ہے، یہ معلوم کرنے کے لیے بھالو دادا نے اوپر دیکھا تو چیل دکھائی دی۔ وہ نیچے کی طرف غوطہ لگاتی چلی آرہی تھی۔ سورج کی شعاعیں اس کے ڈینوں کی اٹھی ہوئی نوکوں پر پڑ کر چمک رہی تھیں۔ ویسے تو یہ چیل کے اپنے گھونسلے میں جا کر سونے کا وقت تھا، لیکن وہ سارا دن تمام جنگل بھر کے اوپر بھالو دادا کو ڈھونڈتی ہوئی منڈلاتی رہی تھی، درخت کے گھنے سائے کے نیچے ہونے کی وجہ سے بھالو اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

’’کیا بات ہے؟‘‘ بھالو نے دریافت کیا۔

’’میں نے موگلی کو بندروں کے درمیان دیکھا ہے۔ اس نے مجھ سے تمھیں بتانے کے لیے کہا تھا۔ میں لگاتار ان پر نگاہ رکھے رہی۔ بندر اسے ندی پار بندر نگر یعنی شیت نگر لے گئے ہیں۔ وہ سب وہاں ایک رات ٹھہر سکتے ہیں، ہوسکتا ہے دس رات رکے رہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی گھنٹہ رکیں۔ میں نے چمگادڑوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ لوگ رات بھر موگلی پر نگرانی رکھیں۔ یہی میرا پیغام ہے۔ اچھا، نیچے کھڑے تم سبھوں کے لیے میں مبارک شکار کی تمنا کرتی ہوں۔‘‘

’’اور تمھیں بھر پیٹ کھانا نصیب ہو اور گہری نیند نصیب آئے، اے چیل‘‘ بگھیرا نے چلا کر کہا۔ ’’آئندہ شکار مارنے پر میں تجھے یاد رکھوں گا۔ میں مارے گئے جانور کا پورا سر صرف تیرے لیے الگ سنبھال کر رکھوں گا۔ اے میری سب سے اچھی چیل‘‘

’’ارے، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ انسان کے بچے کے پاس خفیہ الفاظ تھے۔ اس لیے میں اس کی بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔‘‘ یہ کہتے ہوئے وہ چکر لگاتے ہوئے اوپر اٹھی اور اپنے گھونسلے کی طرف اڑ گئی۔

’’انسان بچہ زبان کا استعمال کرنا نہیں بھولا ہے۔‘‘ بھالو دادا کچھ فخر کے ساتھ بولا۔ ’’ذرا سوچو تو! کتنا چھوٹا بچہ ہے۔ لیکن جب اسے ایک درخت سے دوسرے درخت پر لے جایا جا رہا تھا اس وقت بھی اسے پرندوں تک کے خفیہ الفاظ یاد رہے۔‘‘

’’انھیں (خفیہ الفاظ) اس کی کھوپڑی میں پختہ طور پر ٹھونک جو دیا گیا تھا‘‘۔ بگھیرا بولا۔ ’’مجھے اس پر فخر ہے۔ اچھا، اب ہم لوگوں کو شیت نگر کی طرف چل دینا چاہیے۔‘‘

بندروں کا شیت نگر

ان سبھوں کو یہ معلوم تھا کہ شیت نگر نام کی جگہ کہاں ہے، لیکن جنگل کے لوگ ادھر کبھی نہیں جاتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ شیت نگر ایک قدیم غیر آباد شہر ہے جو جنگل سے گھر کر ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا ہے۔ جنگلی جانور ایسی جگہ کا استعمال شاید ہی کبھی کرتے ہیں جس میں کبھی آدمی رہ چکا ہو۔ بنیلا سور ضرور ان میں آتا جاتا ہے، لیکن شکار کرنے والے درندے ان کا کبھی کوئی استعمال نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ بندر وہاں اکثر عارضی طور پر رہا کرتے تھے۔ قحط پڑ جائے تب کی بات اور ہے، ورنہ کوئی بھی خوددار جانور آنکھ اٹھا کر بھی اس طرف نہیں دیکھتا تھا۔ قحط پڑنے پر بے بس ہو کر وہ سب ادھر آجاتے تھے کیونکہ اس شہر کے تباہ شدہ

تالابوں اور باوڑیوں میں بارش کا تھوڑا بہت پانی بھرا ہوا مل جاتا تھا۔

”اگر ہم پوری رفتار سے چلیں تو یہاں سے آدھی رات کا سفر ہے۔“ بگھیرا بولا۔ بھالو دادا یہ سن کر بہت ہی سنجیدہ ہوگیا۔ ”میں جتنی تیزی سے ہو سکے گا چلوں گا“ وہ بڑے گھبرائے ہوئے انداز سے بولا۔

”ہم تیرا انتظار نہیں کر سکتے بھالو دادا، تو پیچھے پیچھے آنا۔ ہم لوگوں کو تیز چال سے چل دینا چاہیے۔ مجھے اور ’قا‘ کو۔“

”پیر ہوں چاہے نہ ہوں، میں تیرے چاروں پیروں کے برابر چل سکتا ہوں۔“ ’قا‘ نے کہا۔

بھالو دادا نے ’بگھیرا‘ اور ’قا‘ کے ساتھ ساتھ چلنے کی کچھ دور تک کوشش کی لیکن اسے ہانپتے ہوئے بیٹھ جانا پڑا۔

وہ لوگ اسے پیچھے پیچھے آنے کو کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ بگھیرا اپنی چیتے والی تیز چال سے چاروں پیروں سے دوڑتا ہوا پھرتی سے آگے نکل گیا۔ ’قا‘ نے کہا تو کچھ نہیں، لیکن بھگیرا کی تمام تیزی کے باوجود وہ لمبا اژدہا اس کے بالکل ساتھ ساتھ ہی آ رہا تھا۔

چلتے چلتے وہ دونوں ایک پہاڑی ندی کے پاس پہنچے۔ یہاں بگھیرا آگے ہوگیا۔ کیونکہ وہ تو ایک ہی چھلانگ میں چھوٹے پاٹ والی ندی پار کر کے اس کنارے پہنچ گیا، جب کہ ’قا‘ کو تیر کر ندی پار کرنی پڑی لیکن اس پار مسطح زمین پر پہنچتے ہی ’قا‘ نے اپنے اور بگھیرا کے بیچ کی دوری پوری کر لی۔

”اس ٹوٹے تالے کی قسم جس نے مجھے آزاد کیا۔“ بگھیرا آخر کار بولا۔ ”تو بھی کچھ کم تیز چلنے والوں میں نہیں ہے۔“

''میں بھوکا ہوں۔'' 'قا' نے جواب دیا۔ ''پھر، انھوں نے مجھے چتے دار مینڈک بھی تو کہا تھا۔''

''کیچوا، کیچوا کہا تھا۔ اور وہ بھی سر سے پیر تک پیلا کیچوا، بگھیرا نے یاد دلایا۔

''سب ایک ہی بات ہے۔ چلتے چلو۔ قا زمین پر سرسراتا ہوا بڑھتا گیا۔ وہ اپنی پلکیں جھپکائے بغیر چھوٹے والے راستے ڈھونڈتا اور ان پر تیزی سے رینگتا ہوا ایسا دکھائی دیتا تھا گو کوئی پانی کا جھرنا ہو جو زمین سے پھوٹ کر بہتا چلا جا رہا ہو۔

شیت نگر میں بندر موگلی کے دوستوں کی بات قطعی نہیں سوچ رہے تھے۔ وہ اس ویران نگری میں لڑکے کو لے آئے تھے اور فی الحال اپنی اسی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ موگلی نے اس سے پہلے کوئی شہر نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ اس شہر کی سب چیزیں تقریباً کھنڈروں کی شکل اختیار کر چکی تھیں لیکن پھر بھی شہر انتہائی عظیم الشان اور خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ بہت زمانہ پہلے کسی راجا نے اس شہر کو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر آباد کیا تھا، شہر کے پھاٹک کے دروازے لگ بھگ گر چکے تھے اور پھاٹک کے ستونوں پر زنگ لگے قبضوں کے سہارے لٹکے ہوئے تھے۔ پھاٹک کی دیوار کچھ درخت اگ آنے کی وجہ سے سے کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی تھی۔ اندر باہر سبھی جگہ درخت، جھاڑ جھنکار اگے ہوئے تھے۔ عمارتوں کی برجیاں ٹوٹ کر نیچے گری ہوئی تھیں۔ اور شہر کے مینار کی کھڑکیوں سے جنگلی بیلیں باہر نکل کر پھیل گئی تھیں۔ وہ سب لٹکتے ہوئے گھنے جھاڑ دار پشتہ جیسی دکھائی دیتی تھیں۔ پہاڑی کی چوٹی پر ایک بے حد عظیم الشان محل کھڑا تھا جس کی چھت گر چکی تھی۔ اس کے آنگن میں اور فواروں کی سنگ مرمری فرش پر دراریں پڑ گئی تھیں۔ کبھی دودھیا سفید اور چکنا رہنے والا یہ فرش اب لال اور ہرے دھبوں سے بھرا ہوا تھا۔ محل کے فیل خانے میں جہاں کبھی راجا کے ہاتھی رہا کرتے تھے، پتھر کا فرش جگہ جگہ اکھڑ گیا تھا اور جا بجا گھاس اور جھاڑ جھنکار زمین کا سینہ چاک کر کے اگ آئے تھے۔ شہر کے مکانوں کی قطار کی قطار مسمار پڑی تھی۔ ان کی چھتیں ٹوٹ ٹوٹ کر گر چکی تھیں۔ محل سے دیکھنے پر یہ مکان شہد کی مکھیوں کے خالی چھتوں جیسے دکھائی دیتے تھے۔ جن میں شہد کی جگہ تاریکی بھری ہوئی تھی۔ شہر کے چوراہے پر ٹھیک بیچوں بیچ ایک پتھر کا بھاری سا ٹکڑا دکھائی دیتا تھا جو کبھی کوئی مورتی رہا ہوگا۔ سڑکوں کے کنارے نکڑ پر جہاں کبھی عام لوگوں کے استعمال کے لیے کنوئیں ہوا کرتے تھے وہاں اب بڑی بڑی خندقیں بن گئی تھیں۔ مندروں کے ٹوٹے پھوٹے گنبدوں کو پھوڑ کر اوپر نکل آنے والے پیپل، نیم اور جنگلی جلیبی کے پیڑ دکھائی دیتے تھے۔ بندر اس جگہ کو اپنا شہر کہتے تھے۔ وہ سب دوسرے جنگلی جانوروں کو اس لیے حقارت کی نظر سے دیکھنے کا دکھاوا کرتے تھے کیونکہ وہ بندروں کی طرح شہر میں نہیں جنگل میں رہتے ہیں۔ وہ سب راجا کے وسیع وعریض دربار میں ایک دائرے میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی جوئیں نکالتے تھے اور اس طرح سے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے گویا وہ سب بھی آدمی ہیں۔ یا پھر بغیر چھت والے محل کے اندر باہر کود پھاند کرتے ہوئے وہ سب پلستر کے ٹکڑوں اور اینٹوں کا ڈھیر کسی کونے میں اکٹھا کرتے اور پھر بھول جاتے کہ اسے انھوں نے کہاں چھپا دیا ہے۔ کبھی وہ سب الگ الگ ٹولیاں بنا کر بہت شور مچاتے ہوئے ایک دوسرے سے

لڑائی کرتے اور پھر تھوڑی دیر بعد راجا کے باغ میں مل جل کر کھیلنے چل دیتے تھے۔ باغ میں وہ سب دل بہلانے کے لیے گلاب کی جھاڑیوں اور سنترے کے پیڑوں کو زور زور سے ہلاتے اور پھل اور پھول زمین پر گرتے دیکھ کر خوش ہوتے۔ وہ سب محلے کے اندر سارے راستوں اور پر تاریک سرنگوں اور سینکڑوں چھوٹے چھوٹے اندھیرے کمروں میں معلوم نہیں کیا کھوج بین کرنے جاتے، لیکن انھیں یہ کبھی نہیں یاد رہ پاتا تھا کہ انھوں نے وہاں کیا دیکھا اور کیا نہیں؟ وہ اکیلے یا دو تین کی ٹولی میں یا کبھی کبھی تو پورا جھنڈ ہی بنا کر ادھر ادھر گھومتے اور آپس میں ایک دوسرے کو بتاتے کہ وہ بھی وہی سب کام کر رہے ہیں جو آدمی لوگ کرتے ہیں۔ وہ سب تالاب میں پانی پیتے اور پانی کو گدلا کر دیتے تھے اور پھر اس کے لیے دوسرے کو قصور وار ٹھہراتے ہوئے آپس میں جھگڑ بیٹھتے تھے۔ جھگڑنے کے بعد وہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو کر خوب زور زور سے چلا چلا کر کہتے۔ ''جنگل میں اتنا عقل مند اور نیک اور چالاک اور طاقتور اور شریف کوئی نہیں ہے جتنا بندر۔''

اس کے بعد انھوں نے ابھی تک جو کچھ کیا تھا وہی سب چیزیں بندر نئے سرے سے پھر شروع کر دیتے۔ یہ سلسلہ تب تک چلتا رہتا جب تک کہ شہر میں ان کا دل گھبرانے نہیں لگتا تھا اور تب وہ سب واپس جنگل میں درختوں پر لوٹ آتے تھے۔ وہ سب یہ امید کرتے ہوئے لوٹتے تھے کہ جنگل کے جانور ان کی طرف اب تو ضرور ہی توجہ دیں گے۔

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار، **دوسری اشاعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. تاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

صحت

موسمی پھل

امتیاز احمد انصاری

رب کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنانے کے ساتھ ایک خوبصورت اور صحت مند ماحول بھی عطا کیا۔ علاوہ ازیں ضروریات زندگی کی تمام تر نعمتوں سے نوازا تا کہ وہ ان سے لطف اٹھائے اور فیض پائے۔ اللہ نے غذاؤں کی صورت جو نعمتیں حضرت انسان کو عطا کیا ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ غذا کی یہ نعمت ذائقہ، افادیت اور تاثیر کے اعتبار سے الگ الگ ہے۔ خدا کی ان بے شمار نعمتوں میں ایک انمول ترین نعمت پھل بھی ہے جو ہماری زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مقدس میں بھی مختلف پھلوں کا ذکر آیا ہے جیسے سورۃ التین میں انجیر، سورۂ انعام میں انار، سورۂ تین میں زیتون، سورۂ واقعہ میں کیلا، سورۂ عبس میں انگور اور سورۂ مریم میں کھجور کا خصوصی ذکر موجود ہے۔

پھلوں کے اقسام مختلف ہیں۔ خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ اس کی بناوٹ، جسامت اور تاثیر بھی مختلف ہوتی ہے۔ انگور سے لے کر تربوز تک ہر جسامت، ہر رنگ اور ہر ذائقہ کے پھل پائے جاتے ہیں۔ ماہرین طب کا کہنا ہے کہ جو لوگ پھلوں کا باقاعدہ استعمال کرتے ہیں وہ بہت حد تک بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کو معالج یعنی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں یا بہت ہی کم پڑتی ہے۔ ماہر تغذیہ ریم رافیل کے مطابق انسانی جسم کو روزانہ تین پھلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ان پھلوں میں مٹھاس ہوتی ہے اس لیے انھوں نے انھیں اعتدال سے کھانے کی صلاح دیے ہیں۔ ان کے مطابق پھل کھانے کا مناسب وقت ناشتے کے دوران یا دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے کے درمیان بتایا ہے۔ کچھ ماہرین کا یہ بھی ماننا ہے کہ بھوک محسوس ہونے پر پھل کھانا چاہیے تا کہ جسم میں ضرورت سے زیادہ شوگر اور کیلوریز کی مقدار نہ بڑھے اور وزن میں غیر ضروری اضافہ بھی نہ ہو۔

پھلوں میں صحت کے راز چھپے ہوتے ہیں۔ ان میں معدنیات، وٹامنز اور فائبر کے علاوہ دیگر غذائی اجزا پایا جاتا ہے، پھلوں میں پائے جانے والے معدنیات ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط کرنے کے ساتھ گردے میں پتھری ہونے سے روکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں موجود وٹامنز مختلف بیماریوں سے بچاتا ہے جبکہ پھلوں میں پایا جانے

والا فائبر غذائی مادوں کو ہضم کرنے کے ساتھ پیٹ کی پریشانی، دل کی بیماری اور شوگر سے بچاتا ہے۔ خدا نے ہر موسم کی انفرادی خصوصیت رکھی ہے۔ اسی اعتبار سے ہر موسم میں پائے جانے والے پھل بھی علیحدہ ہوا کرتے ہیں۔ اللہ موسم کے مزاج کے مطابق پھلوں کو پیدا کرتا ہے تا کہ انسان اس سے پوری طرح سے مستفیض ہو سکے۔ افادیت کے لحاظ سے موسمی پھلوں کو خصوصی افضلیت حاصل ہے۔ صحیح وقت پر موسمی پھلوں کا استعمال نہ صرف جسم کی غذائی ضرورت پوری کرتا ہے بلکہ جسم کے قوت مدافعت میں بھی اضافہ کرتا ہے جو جسم کو بیماریوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت فراہم کرتا ہے۔

اس مختصر مضمون میں دو خاص موسم یعنی سردی اور گرمی میں پیدا ہونے والے پھلوں کی غذائی اہمیت اور ان کی افادیت کا ہلکا سا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

❖ **موسم گرما کے پھل**

گرمی کے موسم میں ہمارے جسم سے پسینے کی شکل میں زیادہ مقدار میں پانی اور معدنیات خارج ہوتا ہے۔ اس لیے اس موسم میں ایسے پھلوں کی ضرورت پڑتی ہے جن میں پانی کی مقدار بہت زیادہ ہو۔ ان پھلوں کے کھانے سے ہمارے جسم میں پانی کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اس موسم کے چند خاص پھل کی افادیت ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

❖ **تربوز**

اس میں 90 فیصد پانی پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وٹامن اے اور وٹامن سی کے ساتھ کئی معدنیات بھی پائے جاتے ہیں جو انسان کو چست و تندرست رکھنے کے ساتھ جلد کو بھی تر و تازہ رکھتا ہے۔

❖ **آم**

پھلوں کا راجہ آم میں وٹامن اے، سی اور ڈی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ آئرن، کیلشیم اور پوٹاشیم جیسے معدنیات بھی موجود رہتا ہے جو قوت مدافعت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اس میں موجود فائبر غذا ہضم کرنے میں مدد کرتا ہے۔

❖ **پپیتا**

پپیتا کچا اور پکا دونوں حالتوں میں فائدے مند ہے۔ ان میں موجود وٹامن اور معدنیات کینسر، ذیابیطس، قلبی امراض اور سوزش سے محفوظ رکھتا ہے۔ جسم کو طاقت دینے کے ساتھ وزن بھی گھٹاتا ہے۔ علاوہ ازیں دل کو مضبوط کرنے اور قوت مدافعت کے بڑھانے میں بھی معاون اور مددگار ہے۔

❖ **ککڑی**

تربوز کی طرح ککڑی میں بھی پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس کے استعمال سے جسم ٹھنڈا رہتا ہے۔

❖ **کیلا**

اس میں فائبر کے ساتھ کیلشیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ یہ تیزابیت سے بچانے اور ہائڈریشن برقرار رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس میں موجود کیلشیم ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے۔

❖ **انگور**

انگور میں وٹامن سی اور اینٹی اکسیڈنٹس زیادہ پائے جاتے ہیں جو ذیابیطس، کینسر اور دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ بینائی محفوظ رکھنے کے ساتھ گردے میں پتھری نہیں

ہونے دیتا ہے۔

❖ موسم سرما کے پھل

سردی کے موسم میں ایسی موسمیاتی بیماریاں ہوا کرتی ہیں جن سے بچنے کے لیے وٹامن سی کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ سردی کے موسم میں کھٹے اور رس دار پھل بکثرت پائے جاتے ہیں۔اس موسم کے چند خاص پھل مندرجہ ذیل ہیں۔

❖ سیب

سیب میں اینٹی اکسیڈنٹس، وٹامنز اور فائبر دل کی حفاظت کرتا ہے اور قبض سے بچاتا ہے۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ روزانہ ایک سیب کے استعمال سے ذیابیطس کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔یہ کینسر اور ہائپرٹینشن سے بچانے کے ساتھ جلد کو تروتازہ رکھتا ہے۔

❖ انار

انار میں موجود فائبر کی بڑی مقدار وزن کم کرنے، قبض دور کرنے اور کولیسٹرول کی سطح کم کرنے میں بہت مفید ہے۔یہ خون کا دباؤ کم کرنے کے ساتھ دانت اور منھ کی بدبو بھی دور کرتا ہے۔

❖ امردو

یہ نزلہ اور کھانسی دور کرتا ہے اور قوت ہاضمہ بڑھاتا ہے۔پیٹ کے کیڑے مارنے کے ساتھ قبض دور کرنے، کولیسٹرول کی سطح کم کرنے اور منھ کے چھالے سے بچانے میں مفید ہے۔

❖ کینو یا لیموں

اس میں وٹامن سی کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے جو انسان کو نزلہ اور زکام سے بچاتا ہے۔اس کے علاوہ جلد کی بھی حفاظت کرتا ہے۔

■

Imteyaz Ahmed Ansari
H.No. 24, Railpar, Jahangiri Mohalla,
Asansol-713302 (W.B)
Mob. : 9749289061
gulzar.connect@gmail.com

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب و ثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. کس ریاست کو The Last Frontier کہا جاتا ہے؟
2. اس عمل کو کیا کہتے ہیں جس سے پودے خود اپنی خوراک بناتے ہیں؟
3. دوسری World War کب ختم ہوئی؟
4. کنگارو کے بچے کو کیا کہتے ہیں؟
5. دال اور انڈے وغیرہ کے کھانے سے کون سا وٹامن ملتا ہے؟
6. رنجی ٹرافی کا تعلق کس کھیل سے ہے؟
7. دنیا میں سب سے سست اگنے والے پودے کا نام بتائیں؟
8. دنیا میں سب سے بڑا پھول کون سا ہے؟
9. ہندوستان کے سب سے بڑے صحرا کا نام بتائیں؟
10. کون طوطا سب سے بڑا اور وزنی ہوتا ہے؟
11. دنیا کے سب سے لمبے اور بڑے پرندے کا نام بتائیں؟
12. 2024 کا بکر پرائز کس نے جیتا؟
13. نیشنل سائنس ڈے کب منایا جاتا ہے؟
14. کس ملک نے سب سے زیادہ فیفا ورلڈ کپ جیتا ہے؟
15. والی بال میں کتنے کھلاڑی ایک ٹیم کی طرف سے کھیلتے ہیں؟
16. AQI کا فل فارم کیا ہے؟
17. کھیت میں کون سی معدنیات کھاد کے طور پر استعمال کی جاتی ہے؟
18. دنیا کا سب سے بڑا صحرا (Desert) کون سا ہے؟
19. موسم کے مطالعے کو کیا کہتے ہیں؟
20. مردوں کی کرکٹ میں سب سے زیادہ ورلڈ کپ کس ٹیم نے جیتا ہے؟

(جواب صفحہ 47 پر ملاحظہ فرمائیں)

الصباح اعجاز الدین شیخ، درجہ ہشتم، بیگم قمرالنساء کارگیر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج شولاپور، مہاراشٹر

طاہرہ بانو، درجہ سوم، شاہین پبلک سیکنڈری اسکول، جالور، راجستھان

ادیبہ فاطمہ، درجہ اوّل، گرین ٹریز، پبلک اسکول، شاہین باغ، نئی دہلی

ماریہ تناز معین اختر، درجہ ہفتم، گورنمنٹ اردو ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

اقصیٰ زیارت بنت شمشاد احمد راضی، دارالعلوم نسواں، مئوناتھ بھنجن، مئو، اتر پردیش

مصباح راشدانابیہ عارف شیخ، درجہ سوم
رفیع احمد قدوائی، ایم پری انگلش اسکول، واڈسا، مہاراشٹر

عدینہ تسنیم رضا، درجہ ہشتم، پٹنہ بہار

حفصہ عافیہ، درجہ چہارم، جی ڈی گوئنکا پبلک اسکول، سریتا وہار، نئی دہلی

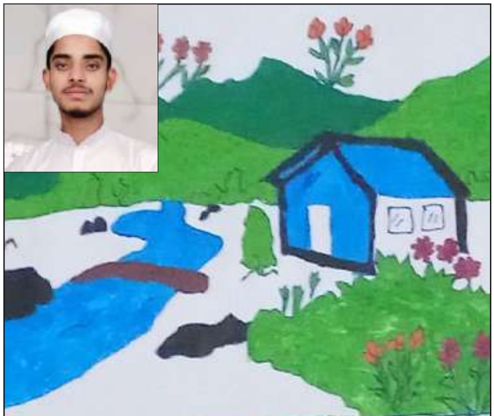

ابو ہریرہ، درجہ حفظ، مدرسہ رحمت العلوم نوکاٹولہ رکسول، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

عالیہ اقبال، درجہ ششم، ہمدرد پبلک اسکول، نئی دہلی

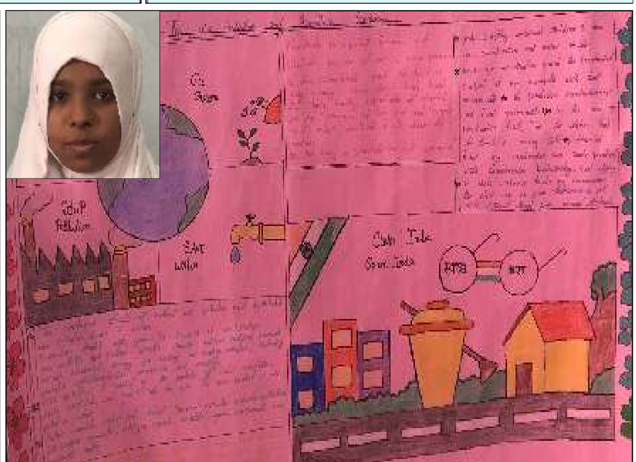

طالبہ درمقدسہ بنت محمد رفیق، درجہ دہم، گورنمنٹ اردو ہائر سیکنڈری اسکول، خیراتی بازار، برہانپور، ایم پی

محمد خان ابن محمد مقیم، درجہ ششم، جامعہ مڈل اسکول، دہلی

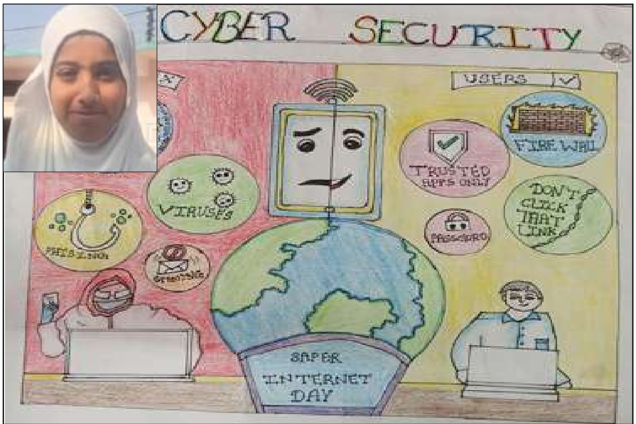

عرشیہ پروین، محمد حبیب، درجہ نہم، رانی بائی اسکول، برہانپور، مدھیہ پردیش

محمد صارم بنت مشتاق احمد، درجہ ششم، دبستاں اسکول
انصار آباد، وارانسی، یوپی

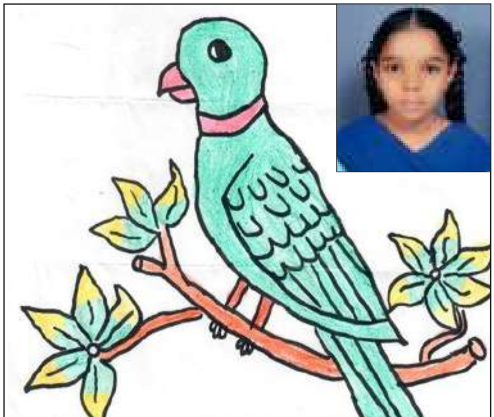

مذکرہ میراں صاحب
سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

تمنا بانو شیخ انیس، درجہ نہم، گورنمنٹ اردو ہائر سیکنڈری اسکول، خیراتی بازار، برہانپور، ایم پی

سید معاض زیان، درجہ چہارم، دریاپور، سونگڑا، کٹک، اڈیشہ

عبادہ عظیم فاروقی، درجہ دوم، شاہین پبلک اسکول، نئی دہلی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, फ़रवरी 2025, वर्ष 13, अंक 02
BACHON KI DUNIYA Monthly, February 2025 Vol. 13, Issue: 02
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/01/2025
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

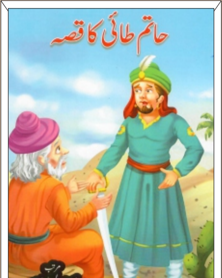

صفحات: 86 ، قیمت: 30 روپے

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

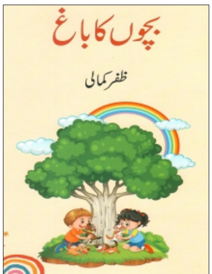

صفحات: 50، قیمت: 20 روپے

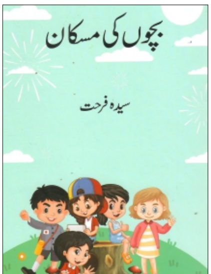

صفحات: 64، قیمت: 25 روپے

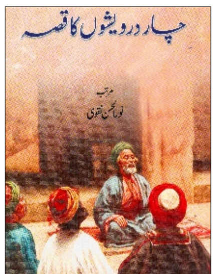

صفحات: 70، قیمت: 30 روپے

صفحات : 22، قیمت: 25 روپے

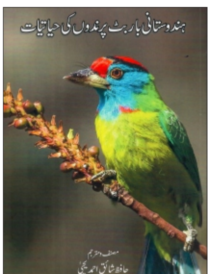

صفحات: 108، قیمت: 95 روپے

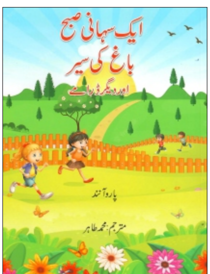

صفحات: 101، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.